بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

# ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ


**مجلس مشاورت**

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۞ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

جناب سمیع احمد صاحب ۞ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری



| | | | |
|---|---|---|---|
| جلد: 3 | جنوری 2017ء | ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ | شمارہ: 27 |

ماہنامہ ندائے قاسم
Monthly NIDA-E-QASIM
Nafees colony, Baripath,
Mahendru, Patna-6
فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ



حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919
مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726
مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120
مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786



***OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,***
***PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,***
***RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919***

# فہرست مضامین


| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | جمہوریت کے 67/سال | خالدانور پورنوی المظاہری | 03 |
| درس قرآن | آزمائشیں ایمان کی نشانی! قسط ششم | حضرت مولانا محمد قاسم صاحب | 08 |
| درسِ حدیث | قبر کا عذاب اورآرام وراحت حق ہے | جناب مولانا محمد ناظم صاحب | 11 |
| مضامین و مقالات | اللہ کے نزدیک ہر نیک عمل قابلِ قدر ہے | حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی | 14 |
| | پیغمبراسلام؛ دوستوں اور ہم عصروں کے ساتھ | مولانا خالدسیف اللہ رحمانی | 18 |
| | انتشاری کیفیت سے نکلنے کیلئے اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت | جناب ڈاکٹرمحمد منظور عالم | 23 |
| | مذہب سیاست' عدالتی فیصلے۔ ہمیں کیا فکر، ہم تو سیکولر ہیں | جناب ڈاکٹر سید فاضل حسین | 26 |
| | عورتوں کے سماجی حقوق، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں | مقالہ نگار: نورالھدیٰ، اے ایم یو | 29 |
| | سیکولر یورپی تہذیب کا ایک اور بیمار تحفہ | ڈاکٹر ساجد خاکوانی | 36 |
| | اسلام کے پانچویں رکن یعنی حج کی اہمیت وفضیلت | محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض | 40 |
| | خوفناک ہے بچوں میں غذائیت کی کمی | ڈاکٹرمظفرحسین غزالی | 46 |
| | ترکی کے بڑھتے قدم اور سال 2016 | مولانا شمس تبریز قاسمی | 49 |
| | حجاج بن یوسف کا آخری سفر | مہجود عالم بھاگلپوری | 52 |
| | نمک چھڑکنے والا بیان! | نازیہ مصطفیٰ | 53 |
| | شام میں جنگ کا مقصد ایران کا تحفظ ہے؟ | عبدالرحمٰن الراشد | 56 |
| **خواتین** | پردہ کے احکام اور مسائل | حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی | 58 |
| **شب وروز** | پرچم کشائی؛ جامعہ مدنیہ سبل پور، دفتر جمعیۃ علماء بہار | ادارہ | 63 |


E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!

کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448

اداریہ

# جمہوریت کے 67/سال!

خالدانورپورنوی المظاہری

26/جنوری 1950 میں اس ملک کا دستور بنا،اورآئین کی ترتین وتدوین کا کام مکمل ہوا،دستور کی رو سے اس ملک کوسیکولراور جمہوری قرار دیا گیا،مختلف حالات،تعصّبات،اورحکومتی غیرمنصفانہ رویوں کے باوجود جمہوریت کے 68/ویں سال میں ہم داخل ہوگئے،اور یوم جمہوریہ منا کرجمہوریت کی یادتازہ کررہے ہیں۔

ہندوستان ایک خوبصورت ملک ہے،مختلف تہذیبوں،ثقافتوں،اورزبانوں کا گہوارہ ہے،اور یہ آزادی کے بعد سے نہیں؛ بلکہ بہت پہلے سے ہمارے ملک کے رگ رگ میں اختلاف اورتنوع کا خون موجود ہے،کثرت میں وحدت ہی اس کی پہچان ہے۔

ہندوستان کسی ایک فرقہ کا ملک نہیں ہے،نہ کسی خاص مذہب اوراس کے ماننے والوں کی جاگیر ہے،اس کی قومیت صرف ہندوؤں سے،یا صرف مسلمانوں سے تشکیل نہیں پائی ہے، بلکہ اس میں اوربھی بہت کچھ ہے،مختلف مذاہب،اور ملت کے لوگ رہتے ہیں،ان کی زبانیں ، بھاشائیں ،تہذیبیں،ثقافتیں الگ الگ ہیں،لیکن سبھی مل کرایک ملک کی تشکیل کرتے ہیں،اس کی ترقی ،عروج،اور بلندی کے لئے اپنی جان داؤ پر لگادیتے ہیں،وہی جسے ہم ہندوستان کہتے ہیں،اورہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں۔

1905ء میں گورنمینٹ کالج لاہور میں ایک اجلاس عام کا انعقاد ہوتا ہے،مشہورشاعرمشرق علامہ اقبالؒ کو اجلاس کی صدارت کرنے کی دعوت دی جاتی ہے،تقریر کرنے کے بجائے پورے جوش وخروش کے ساتھ اپنا لکھا ہوانظم ’’سارے جہاں سے اچھا،ہندوستاں ہمارا‘‘ پڑھ کرسناتے ہیں،اور 1950ء کی دہائی میں اندراگاندھی پہلے خلاباز راکیش شرماسے پوچھتی ہے کہ: خلاسے بھارت کیسادکھائی دیتاہے،تو وہ جواب دیتاہے:’’سارے جہاں سے اچھا،ہندوستاں ہمارا‘‘اورہم بھی صرف یوم جمہوریہ اور یوم آزادی کے موقع پرنہیں، بلکہ عقیدت کے طور پر ہمیشہ ہی گنگناتے ہیں’’سارے جہاں سے اچھا،ہندوستاں ہمارا‘‘اور پوری دنیامیں جہاں بھی جاتے ہیں ہندوستان کی اسی رنگارنگی،اورگنگاجمنی تہذیب کا کھل کراظہارکرتے ہیں۔

○ ○ ○

جمہوریت کا مطلب ہے: عوام کی حکومت، یعنی حکومت کی چابی عوام کے پاس، عوام ہی ہر پانچ سال میں ملکی اور ریاستی سطح پر پارلیامینٹ اور اسمبلی کے لئے نمائندوں کا انتخاب کرتی ہے، عوام کے ذریعہ منتخب نمائندے ملک کے مرتب قوانین اور دستور کے مطابق نظم ونسق چلاتے ہیں۔

جمہوریت کی سب سے بڑی طاقت عوام ہوتی ہے، اسی لئے ایک جمہوری ملک میں جو بھی پالیسیاں بنائی جاتی ہیں، جو بھی قوانین مرتب کئے جاتے ہیں، عوام کی فلاح پیش نظر رہتی ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ جمہوریت اور سیکولرازم کا نعرہ صرف سیاسی اور انتخابی ہتھکنڈہ ہے، اس سے آگے کچھ بھی نہیں۔

26/جنوری 1950 میں اس ملک کا دستور بنا، اس کی یاد میں ہر سال 26/جنوری کے موقع پر نہایت ہی دھوم دھام سے یوم جمہوریہ منایا جاتا ہے، اسکولوں، کالجوں، مدرسوں، سرکاری ونیم سرکاری اداروں میں پرچم کشائی ہوتی ہے، ترانے گنگنائے جاتے ہیں، اور ہندوستان کی جمہوریت کا احساس دلایا جاتا ہے اور بس! اور یہ سنتے سنتے 67/سال بیت گئے، زمینی سطح پر نہ جمہوریت ہے اور نہ جمہوریت کے حامل ہمارے حکمراں۔

جی ہاں! جمہوریت ہمیں اجازت دیتی ہے بولنے کی، لکھنے کی، کھانے، پینے کی، رہن سہن کی، اپنے اداروں کے قائم کرنے کی، اپنے مذہب پر عمل کرنے کی، مگر ان سارے حقوق کو چھیننے کی کوششیں تیز ہوتی دکھائی دے رہی ہیں، کبھی بھوپال انکاؤنٹر کے ذریعہ، کبھی مظفرنگر اور گجرات دنگوں کے ذریعہ، کبھی تین طلاق کے بہانے، اور کبھی دہشت گردی کے الزام کے ذریعہ، کبھی دادری میں اخلاق کا قتل کرکے، اور ہم بے بس ہیں، ناامیدی کفر ہے اسی لئے ایک امید باقی ہے، اور جمہوریت کی تلاش میں 67/سالوں سے ہم نا کئے کی سزا کاٹ رہے ہیں، حد تو اس وقت ہو جاتی ہے جب مسلم مکت کا نعرہ دیا جاتا ہے اور جمہوریت کے ٹھیکیدار خاموش تماشائی نظر آتے ہیں۔

سچر کمیٹی رپورٹ نے حکومت ہند کو آئینہ دکھایا تھا، کہ سیاسی، تعلیمی، اقتصادی، اور دیگر تمام شعبوں میں مسلمانوں کی حالت دلتوں سے بدتر ہو گئی ہے، اور اس کے تناظر میں خصوصی ریزرویشن کی بھی سفارش کی گئی تھی، لیکن مکمل دس سال کا عرصہ گذر گیا، اور جمہوریت کی آواز بلند کرنے والوں نے ذرہ برابر اس پر توجہ نہیں دی، کیا ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی اکثریت کے حقوق کو نظر انداز کرکے اور ترقی کی رفتار سے انہیں نیچے گرا گر جمہوریت کی بحالی ممکن ہے؟

24/لاکھ مربع میل پر حکومت کرنے والا اور دنیا کی سپر طاقتوں کو زیرنگیں کرنے والا شخص زار وقطار رونے

لگا، لوگوں نے وجہ پوچھی؟ قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں شامل ہوگئی ہیں، روم وفارس کو آپ سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں ہے، 221030 مربع میل علاقوں کو آپ نے فتح کرلیا، آخر کیا وجہ ہے جو آپ رور ہے ہیں؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: فلاں پل سے بھیڑ، بکریوں کا ریوڑ گزر رہا تھا، پل میں ایک سوراخ تھا، اس سوراخ میں ایک بکری کی ٹانگ ٹوٹ گئی، میں اس لئے رو رہا ہوں کہ کل خدا نے پوچھ لیا: بتا تیری حکومت میں بکری کی ٹانگ کیوں ٹوٹی، پل کو مرمت نہیں کروا سکتا تھا، میں اس لئے رو رہا ہوں۔

جمہوریت کے اصول وآداب کیا ہیں؟ ان تعصب پسند حکمرانوں کو کیا معلوم؟ صرف ووٹ لینے کے داؤ پیچ سے واقف ہیں یہ لوگ، اور اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر اپنی پارٹی اور اپنی پارٹی کی پالیسی پر عمل کر کے وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ جمہوریت کو فروغ دے رہے ہیں، اور زمینی سطح پر حالت یہ ہے کہ کھلے عام اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کو گالیاں دی جاتی ہیں، ووٹ ڈالنے کے حق کو چھیننے کی کوشش ہوتی ہیں، مختلف ایشوز کے ذریعہ انہیں ٹارچر کیا جاتا ہے، اس طرح کے دیگر مسائل اور پریشانی کھڑی کر کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، اس طرف ذرہ برابر توجہ نہیں دی جاتی ہے، پھر بھی ہیں وہ جمہوریت کے حقیقی علمبردار!

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک بار خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ہم اپنے ساتھ کچھ ذخیرے لائے تھے، اور یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی، ہم نے اپنی دولت اس کے حوالہ کردی، اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیئے، ہم نے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی، جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی، ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام پہونچایا، وہ کہتے ہیں: تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعہ پر گذر چکی ہیں، اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعوی رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے، اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے، جس طرح ایک ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستانی ہے، اور ہندو مذہب کا پیرو ہے، ٹھیک اسی طرح ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستانی ہیں اور مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔

○ ○ ○

ہندوستان ہمارا ملک ہے، ایک ہزار سال ہم نے اس ملک میں حکومت کی ہے، یہاں کے باشندوں کو تہذیب وثقافت سے آشنا کیا ہے، عدل وانصاف اور حکومت کرنے کا طریقہ سکھایا ہے، تاج محل، قطب

مینار، لال قلعہ، گول گنبد کی شکل میں فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ دیا ہے، ثقافت وسیاست، صنعت وحرفت، تجارت وزراعت میں پوری دنیا میں ہندوستان کا سر بلند کیا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آج تم جس جمہوریت کا ڈھنڈوارا پیٹتے ہو، ہم نے ہی تو سکھایا ہے۔

آج جو لوگ مغلیہ دورِ حکومت کا موازنہ انگریزی حکومت سے کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بارہ سو سال تک یہ ملک غلام رہا، انہیں تاریخ کی سچائی کا علم نہیں ہے، یا وہ حد درجہ متعصب ہیں، انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ جب تک ہندوستان میں مغلیہ حکومت رہی، تخت حکومت پر بادشاہ مسلمان تو ضرور نظر آتا تھا، لیکن حکومت کا نظم جمہوری تھا، آج کل جمہوریت میں عوام کی رائے الیکشن اور انتخابات سے معلوم ہوتی ہے، اور اس زمانہ میں یہ جدید طریقہ رائج نہیں تھا، اس لئے درباریوں، جاسوسوں، عمال اور دیگر ذرائع سے عوام کی رائے اور ان کی خواہشوں کا علم بادشاہ کو ہوتا تھا، اور وہ ان کی روشنی میں اپنی پالیسی متعین کرتا اور عوام کی فلاح کیلئے احکام جاری کرتا۔

اِنگلستان کے مشہور مقرر لارڈ منڈ ہرک نے پارلیامنٹ میں ایک بار مسلمانوں کے نظام حکومت کے متعلق تقریر کرتے ہوئے صاف اور واضح لفظوں میں کہا تھا: عیسائی بادشاہوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے قانون میں بدرجہا زیادہ مظبوطیاں ہیں، ان کا اپنے قانون کی نسبت یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے، اس لئے بادشاہ سے لیکر رعایا تک سب کے سب یکسانیت کے ساتھ قانون اور مذہب کے پابند ہیں، قرآن کے قانون کا ہر حرف ظالموں کے خلاف گرج رہا ہے، اس قانون کی شرح کرنے والے علماء، یا قاضیوں کا طبقہ موجود ہے جو اس کا محافظ قرار دیا گیا ہے، اور جو بادشاہوں کی ناراضی سے محفوظ ہے، اور جسے بادشاہ بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے، ان کے بادشاہوں تک کو حقیقی اعلیٰ طاقت حاصل نہیں ہے، بلکہ وہاں کی حکومت ایک حد تک جمہوری ہے۔

مغلیہ حکومت میں علماء کرام کا اثر ورسوخ تھا، ہندو مسلم میں کوئی تفریق نہ تھی، دونوں کے حقوق یکساں طور پر محفوظ تھے، ہمارے ملک کے مشہور مصنف پنڈت سندر لال الٰہ آبادی لکھتے ہیں: اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، اور ان کے بعد اورنگزیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں حیثیت رکھتے تھے، دونوں مذاہب کی توقیر کی جاتی تھی، ہر بادشاہ کی طرف سے بے شمار ہندو مندروں کو جاگیریں اور معافیاں دی گئیں تھیں۔

سلطان محمد تغلق کے رعب و دبدبہ سے کون واقف نہیں، تاریخ کا ہر طالب ان کے جاہ وجلال سے واقف ہے، مشہور سیاح ابن بطوطہ ان کے متعلق اپنا چشم دید واقعہ لکھتا ہے: ایک مرتبہ سلطان کے خلاف ایک ہندو نے

عدالت میں مقدمہ دائر کیا، بادشاہ نے اس لڑکا کو بے وجہ مارا ہے، قاضی نے بادشاہ کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں طلب کیا، اور مقدمہ کی سماعت کی، آخر فیصلہ یہ کیا کہ بادشاہ پر جرم ثابت ہے، اور اس سے بدلہ لیا جائے، سلطان محمد تغلق نے بے چوں و چرا عدالت کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے: کہ میں نے دیکھا کہ بادشاہ نے عدالت کے فیصلہ کے مطابق ہندوزادہ کو دربار میں بلایا، اور اس کے ہاتھ میں چھڑی دے کر کہا: کہ لے مجھ سے بدلہ لے، مزید برآں لڑکے کو اپنے سر کا قسم دے کر کہا جس طرح میں نے تجھ کو مارا ہے، تو بھی مجھ کو اسی طرح مار، ابن بطوطہ کا بیان ہے: کہ لڑکا نے بادشاہ کو اکیس چھڑیاں ماریں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ کی ٹوپی سر پر سے گر پڑی۔

یہی وجہ تو ہے کہ مغل بادشاہوں کے دور اقتدار کیلئے جنگ تو ہوئی لیکن کبھی بھی فرقہ پرستی کی جنگ نہیں ہوئی، مذہب کی سیاست نہیں ہوئی، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں کو چھوڑیئے، خود اورنگزیب کے عہد حکومت میں راجپوت اور ہندو سینکڑوں کی تعداد میں بڑے بڑے عہدوں اور مناصب پر فائز تھے، اگر کسی نے اعتراض بھی کیا تو جواب دیتے، حکومت کے معاملات کا دارومدار قابلیت پر ہوتا ہے، مذہب کو ہرگز دخل نہیں دیا جانا چاہئے!

❍ ❍ ❍

ہندوستان سب کا دیش ہے، کسی بھی مذہب کی تفریق کئے بغیر سب کی ترقی میں اس دیش کی ترقی ہے، کسی خاص مذہب کے ساتھ بھید بھاؤ کر کے نہ ملک کی ترقی ممکن ہے اور نہ جمہوریت کی بحالی ممکن ہے، یہ صرف ہماری آواز نہیں، تمام ہندوستانیوں کی آواز ہے، اگر یہ سوچ ختم ہو جائے تو ملک کی جمہوریت اور یوم جمہوریہ منانے کا کوئی حاصل نہیں ہے!

تو آیئے! ہم عہد کریں اور جمہوری انداز میں جمہوریت کے استحکام اور مضبوطی کیلئے خود بھی کوشش کریں، اپنی زبان، قلم، اور سوشل میڈیا کے ذریعہ ہندوستانی باشندوں، مرکزی، ریاستی حکمرانوں، اور سیاسی آقاؤں کو بیدار کریں، جمہوریت کی حقیقت سے واقف کرائیں، اور بتادیں کہ ہم اس ملک کے کرایہ دار نہیں، برابر کے حصہ دار ہیں، وہ ہم ہی تھے جس نے تحریک آزادی کے دوران برطانوی سامراج کے خلاف احتجاج کے طور پر یہ نظم گایا تھا اور آج بھی گاتے ہیں:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

درس قرآن — العنکبوت - قسط ششم

# آزمائشیں ایمان کی نشانی!

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ ۔ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط (نوح: ۱-۳)

انہوں نے کہا: اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں، تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو، وہ تمہارے گناہ معاف کردیگا، اور تم کو وقت مقررہ تک مہلت دیگا۔

حضرت نوح علیہ السلام نجار نہیں تھے، کشتی بنانا نہیں جانتے تھے، اس لئے عرض کیا: میں کس طرح کشتی بناؤں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم بنوادیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق تیشہ لیکر لکڑی تلاش کرنا شروع کردی، تو توبرابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی، اور اس طرح وہ کشتی بناتے تھے۔ جب ان کی قوم کے سرداروں میں کوئی جماعت ان پر گذرتی تو ان کے ساتھ تمسخر کرتی اور یہ کہتی: اے نوح! پہلے تم تو پیغمبر تھے اور اب بڑھئی ہوگئے اور دریا سے دُور خشک بیابان میں کشتی تیار کررہے ہو، اتنی بڑی کشتی خشکی سے کھینچ کر دریا میں کیسے لے جاؤ گے؟ تم مجنون ہوگئے ہو! نیز خشکی میں کشتی کی ضرورت کیا؟ بلاضرورت کس طرح کشتی بناتے ہو! جہاں دُور دُور تک پانی کا نام ونشان نہ ہو، وہاں کشتی بنانا بالکل عبث ہے۔

ابن عتیہ کہتے ہیں: اس سے پہلے لوگوں نے کشتی دیکھی بھی نہیں تھی، اور نہ اس کے استعمال کے طریقہ سے واقف تھے۔ اس لئے تعجب کرتے اور قہقہے لگاتے، اور کہتے گئے: اے نوح! تم اس کو کیا کروگے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا: اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا کہ ہم پر ہنستے ہو! وہ ہنستے تھے اس بات پر کہ خشکی پر کشتی بنائی جارہی ہے، کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی؟ اور حضرت نوح علیہ السلام اس بات پر ہنستے تھے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں، موت ان کے سر پر کھڑی ہے۔ ان کو معلوم نہیں ہے کہ کس طرح زمین سے پانی اُبل پڑیگا اور یہی خشکی تری بن جائے گی، اور ان کو غرق کرڈالے گی۔

اِسی طرح سوال وجواب اور تمسخر کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آپہونچا، اور اس کی علامت اِس طرح سے ہوئی کہ روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا، اُس سے پانی اُبلنے لگا، جو مقدمہ تھا طوفان کا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب آنے کی یہ نشانی بتادی تھی کہ جب اس تنور میں سے پانی

پھوٹنے لگےتم اہل ایمان کولیکر کشتی میں سوار ہوجانا! چنانچہ جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی کہ تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا، زمین کے چشمے رواں کردیئے، اور آسمان سے پانی شدت کے ساتھ برسنا شروع ہوا، جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا: ''ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر'' (النوح)

ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کیلئے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، دوعدد جوڑا یعنی ایک عدد نر، ایک عدد مادہ کشتی میں اپنے ساتھ لادلو! اور اپنے اہل وعیال کو جو ایمان لے آئے ہیں اُن کوبھی کشتی میں سوار کرلو! اُن لوگوں کو سوار نہ کرنا جن کی غرقابی اور ہلاکت کے متعلق قضا وقدر جاری ہوچکی ہے، اور اہل وعیال کے علاوہ ان لوگوں کو بھی سوار کرلیجئے جو ایمان لائے ہیں، ایمان لانے والوں میں تھوڑے ہی افراد تھے، جن کی تعداد ۸۰ رتھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق فرمایا: کہ اس کشتی میں سوار ہوجاؤ اور غرق کا اندیشہ نہ کرو، کیونکہ اس کا چلنا ٹھہرنا سب اللہ کے نام کی برکت سے ہے، جو بے شک میرا پروردگار ہے، بخشنے والا اور مہربان ہے۔

نجات کا دارومدار اللہ کی رحمت پر ہے، یہ کشتی اس کا ظاہری سبب ہے، لہذا بھروسہ اللہ پر رکھو، نہ کے کشتی پر۔ وہ لوگ ضروری جانوروں کے ساتھ بسم اللہ پڑھتے ہوئے کشتی میں سوار ہوگئے اور اس اثناء میں پانی بہت بڑھ گیا، پانی اس قدر کثیر تھا کہ اُس کی موجیں اور لہریں پہاڑ کے مانند بلند تھیں، طوفان نہایت شدید تھا، مگر یہ کشتی اُنہی موجوں میں اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نظر رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو سکون واطمینان کے ساتھ لیکر چل رہی تھی، اس میں کسی قسم کا کوئی اضطراب نہ تھا، پانی اور ہوا کے تھپیڑوں کا کشتی پر کوئی اثر نہ تھا۔ کشتی چلنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے سگے یا سوتیلے بیٹے کو (جس کا نام کنعان تھا) آواز دی: اے میرے چھوٹے بیٹے! خدارا ایمان لے آ ؤ اور کشتی میں ہمارے ساتھ سوار ہوجاؤ، اور بد بخت کافروں کی معیت چھوڑ دو تو اس مصیبت عظمٰی سے تم نجات پاسکو گے! یہ باپ نے بیٹے سے نصیحت فرمائی۔ یہ وقت ابتدائے طوفان کا تھا، پانی پہاڑوں پر نہیں پہونچا تھا، اس لئے بیٹا بولا: مجھے کشتی کی ضرورت نہیں، عنقریب کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانہ لونگا جو مجھ کو پانی میں غرق ہونے سے بچالیگا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو گمان یہ تھا کہ شاید اس قہر عام کو دیکھ کر بیٹا ہوش میں آجائے، مگر غفلت کا پردہ اتنا سخت تھا کہ ہوش نہ آیا اور خیال کیا کہ پہاڑ کی چوٹی مجھ کو غرق ہونے سے بچالے گی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اس خیال کو دماغ سے نکال دے! یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں، یہ اللہ کا قہر ہے، آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں ہے، مگر جس پر خدا رحم کرے وہی بچ سکتا ہے، پہاڑ بھی تو اللہ کے حکم کے تابع ہے وہ بغیر حکم خداوندی کے کیسے کسی کو پناہ دے سکتا ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان جب والد بزرگوار کی نصیحت ودعوت کے باوجود کشتی میں سوار نہ ہوا، تو اس کو موج طوفان میں مبتلاء دیکھ کر شفقت پدری نے ایک دوسرا رستہ اختیار کیا، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا: آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے گھر والوں کو طوفان سے بچائیں گے، بلاشبہ آپ کا وعدہ حق اور صحیح ہے، مگر صورت حال یہ ہے کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں داخل ہے، وہ طوفان کی نذر ہورہا ہے، اور آپ تو احکم الحاکمین ہیں، ہر چیز آپ کی قدرت میں ہے، اب بھی اس کو طوفان سے بچا سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تنبیہ کیا کہ یہ لڑکا آپ کے اہل وعیال میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کا عمل اچھا نہیں، بلکہ تباہ کار رہے، اس لئے آپ کو نہیں چاہئے کہ حقیقت حال سے بے خبر رہکر مجھ سے کوئی سوال کریں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے کفر کا پورا حال معلوم نہ تھا، اس کے نفاق کی وجہ سے اس کو مسلمان ہی جانتے تھے، اس لئے اس کو اپنے اہل کا ایک فرد قرار دیکر طوفان سے بچانے کی دعاء کر بیٹھے، ورنہ اگر ان کو حقیقت حال معلوم ہوتی تو ایسی دعاء نہ کرتے، کیونکہ نوح علیہ السلام کو صریح طور پر پہلے ہی یہ ہدایت دے دی گئی تھی کہ جب طوفان آجائے تو پھر آپ ان سرکشوں میں سے کسی کے متعلق کسی سفارش کی گفتگو نہ فرمائیں، فرمایا: صاف وصریح حکم کے باوجود ممکن تھا کہ پیغمبر خدا ان کی خلاف ورزی کی جرأت کرتے، جب کفار غرق ہوگئے اور اہل ایمان صحیح سالم رہے اور کافروں میں زمین پر بسنے والا کوئی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا: اے زمین تو اپنا پانی نگل جا! اے آسمان تو پانی برسانے سے رُک جا!

چنانچہ زمین نے اپنے اوپر کا تمام پانی چوس لایا، آسمان نے پانی برسانا بند کردیا، اور پانی کم کردیا گیا، اور قوم نوح علیہ السلام کا قصہ تمام ہوا، اور کافر ومنکر ایک بھی باقی نہ رہے، اور اہل ایمان نے نجات پائی، اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور کشتی صحیح سلامت جودی پہاڑ پر جاکر ٹھہر گئی، جو موصل کے قریب واقع ہے۔

یہ واقعہ محرم کی دسویں تاریخ کو ہوا، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا کہ اس مبارک دن میں اہل ایمان کو نجات دی اور کفار کو از اول تا آخر غرق کردیا، اور حکم آیا کہ لعنت اور پھٹکار ہو ان قوم کیلئے جنہوں نے حق اور اہل حق کے ساتھ ناانصافی کی، اس لئے اللہ نے ان کو نیست ونابود کیا اور اپنی رحمت سے دُور کردیا۔

❍❖❍

درس حدیث

# قبر کا عذاب اور آرام وراحت حق ہے

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنهَا اَنْ یَّھودیۃً دَخَلَتْ عَلیھَا فَذَکَرَتْ عَذابَ القَبرِ فَقَالَتْ لَھَا اَعَاذَکِ اللّٰہُ مِنْ عَذابِ القَبرِ، فَسَألَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہ عَنھا رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ القَبرِ، فَقالَ نَعَمْ عَذابُ القَبرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائشَۃُ فَمَارَأَیتُ رَسولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعدُ صَلّٰی صَلوٰۃً اِلّا تَعوَّذَ بِاللّٰہِ مِنْ عَذابِ القَبرِ. (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک دن ایک یہودی عورت آئی اور (اثناء گفتگو) حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں دریافت کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، عذاب قبر حق ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے کوئی بھی نماز پڑھی ہو اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا نہ کی ہو کہ عذاب قبر سے پناہ میں رکھے۔ (بخاری ومسلم)

**تشریح:** جب انسان مرجاتا ہے تو دنیا سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، موت سے لیکر قیامت قائم ہونے کا کا جو زمانہ گزرتا ہے اس کو ''برزخ'' کہا جاتا ہے، برزخ میں بہت سے لوگ اچھے حال میں رہتے ہیں، اور بہت سے لوگ وہاں تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں، دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں ان کے ماننے والے عموماً میت کو دفن ہی کرتے ہیں، اس لئے برزخ کی تکلیف کو عذاب قبر ہی کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو لوگ جلادیئے جاتے ہیں یا دریا میں ڈال دیئے جاتے ہیں یا جن کو درندے کھاجاتے ہیں وہ اپنے کفروشرک کے باوجود برزخ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کو قدرت ہے کہ درندوں کے پیٹوں سے اور سمندروں کی تہوں سے ذرات کو جمع فرمائے، اور برزخی زندگی دیکر عذاب دیدے، مؤمنین صالحین کیلئے قبر انتظار گاہ ہے، یہ حضرات قیامت ہونے تک برزخ میں آرام سے رہتے ہیں اور کافرین ومنافقین کیلئے ایک طرح کی سخت حوالات ہے، جس میں عذاب

ہی عذاب ہے، اور جو لوگ فاسق ہیں، کبیرہ گناہوں میں لگے رہتے ہیں، ان کو بھی قبر کا عذاب دیا جاتا ہے، لہٰذا مومن بندے بھی عذاب قبر سے پناہ میں رہنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ امت کو تعلیم دینے کیلئے ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

احادیث میں واضح طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان اور اعمال صالحہ پر عمل نے والے برزخ میں آرام سے رہتے ہیں، جہاں تک نظر پہنچے وہاں تک ان کی قبر کشادہ اور روشن کر دی جاتی ہے، ایسے بندوں کیلئے قبر میں جنت کا بستر بچھا دیا جاتا ہے، جنت کے کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں اور قبر کی جانب جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جہاں سے جنت کی لطیف ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ اور کافروں، بدکاروں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے، اس عذاب کی بہت سی تفصیلات احادیث شریفہ میں آئی ہیں، مثلاً زمین کا بھینچنا، سانپوں کا مسلط ہونا، نیچے آگ کا بچھا دیا جانا، گرزوں سے مارا جانا، دوزخ کا دروازہ قبر کی طرف کھول دیا جانا تا کہ وہاں سخت گرم ہوا آتی رہے۔

قبر کے آرام اور تکلیف کی خبر انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی دی ہے، ان کی امتیں بھی اس کا یقین رکھتی تھیں، اور عذاب قبر سے پناہ مانگتی تھی۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں، ان کے دین کو تو انہوں نے بدل دیا ہے، مگر کچھ باتیں جو ان کی تعلیمات سے یہود کے پاس رہ گئیں ہیں، ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ نافرمانوں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے، جو ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تھی، اس نے اپنی مذہبی معلومات کی بنیاد پر قبر کے عذاب کا تذکرہ کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے اس کی تصدیق چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ نافرمانوں کو قبر میں عذاب ہونے کا عقیدہ ہے۔

یہود و نصاریٰ اور وہ تمام لوگ جو خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے منکر ہیں، یہ سب برزخ میں عذاب میں رہیں گے، اور روز محشر میں بھی سخت سے سخت تکلیف اٹھائیں گے، پھر ہمیشہ کیلئے دوزخ میں داخل ہونگے، جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر دین محمدی میں تحریف یعنی اَدل بَدل کرتے ہیں یا خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی اور نبی کو مانتے ہیں، یا روزہ نماز کی فرضیت کے منکر ہیں، یا دین کا مذاق اُڑاتے ہیں، یہ بھی سب کافر ہیں، جو کافروں والے عذاب میں مبتلا ہونگے۔ جو لوگ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اپنا رشتہ بتاتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ، یہ لوگ اول تو اس دین پر باقی نہیں رہے جس دین پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان کو چھوڑا تھا، ان کے دین میں کفر اور شرک کو داخل کر لیا ہے، دوسرے یہ کہ

اللہ کے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کے منکر ہیں، لہذا یہ لوگ بدترین کافر ہیں اور مستحق عذاب ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب (مومن) میت کو قبر میں داخل کردیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سورج چھپ رہا ہو، جب اس کی روح (قبر میں) واپس لوٹائی جاتی ہے تو آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کر بیٹھتا ہے اور (فرشتوں سے) کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھتا ہوں۔ (ابن ماجہ)

گویا وہ اس وقت اپنے آپ کو دنیا میں تصور کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے کہ سوال وجواب کو رہنے دو، مجھے فرض ادا کرنا ہے، وقت ختم ہوا جارہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات وہی کہے گا جو دنیا میں نماز کا پابند تھا اور اس کو ہر وقت نماز کا خیال لگا رہتا تھا۔ اس سے بے نمازی سبق حاصل کریں، اور اپنے حال کا اندازہ لگائیں اور اس بات کو خوب سوچیں کہ جب اچانک سوال ہوگا تو کیسی پریشانی ہوگی؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں، جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے نکیر کہا جاتا ہے، وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیا کہتا ہے اُن صاحب کے بارے میں (جو تمہاری طرف بھیجے گئے؟ وہ اگر مومن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سن کر وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دیگا۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ مربع کشادہ کردی جاتی ہے، پھر اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب تو سوجا، وہ کہتا ہے کہ میں تو اپنے گھر والوں کو اپنا حال بتانے کیلئے جاتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ یہاں آکر جانے کا قانون نہیں ہے، تو سوجا جیسا کہ دُلہن سوتی ہے، جیسے اس کے شوہر کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا، لہذا وہ آرام سے قبر میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے قیامت کے روز اس جگہ سے اٹھائیگا۔

اگر مرنے والا منافق ہوتا ہے تو وہ منکر نکیر کو جواب دیتا ہے کہ میں نے جو لوگوں کو کہتے سنا وہی کہا، اس سے زیادہ میں نہیں جانتا، وہ دونوں کہتے ہیں: کہ ہم تو خوب جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دیگا، پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اسے بھینچ دے، چنانچہ زمین اُسے بھینچ دیتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر چلی جاتی ہیں، پھر وہ قبر کے اندر عذاب میں رہتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کو خدا اسے وہاں سے اٹھائیگا۔ (ترمذی)

مقالات ومضامین

# اللہ کے نزدیک ہر نیک عمل قابلِ قدر ہے

مولانا اسرارالحق قاسمی، صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

قرآن کریم اور احادیث میں فرائض وواجبات کے علاوہ بہت سارے ان امور کی نشان دہی کی گئی ہے جو اعمالِ خیر ہیں اور ان کے کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ اجر وثواب سے نوازتا ہے۔ البتہ اس بارے میں ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن ایک اصولی کتاب ہے اور اس میں زیادہ تر اصول بتائے گئے ہیں، چنانچہ مختلف مقامات پر ارشاد ہوا ہے: کہ ''تم جو بھی (اللہ کے راستے میں) مال خرچ کروگے اللہ کو اس کا علم ہے'' (البقرہ) یا یہ کہ ''اگر کسی نے ذرہ برابر بھی خیر کا کام کیا ہوگا تو وہ اسے دیکھے گا'' (الزلزال) یعنی اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یا یہ کہ ''اگر کسی نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنے لیے کیا اور جس نے کوئی برا عمل کیا تو اس نے اپنے لیے کیا'' (فصلت)

علامہ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی جس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اس کا نفع اسی کو ہوگا، جبکہ اگر کسی نے کوئی برا عمل کیا تو اس کا وبال بھی اسی کو ہوگا۔ اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی بندے کو بے وجہ سزا یا عذاب نہیں دے گا، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی نیکی دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالے گا، جو عمل جس شخص نے کیا ہے اسی کو اس کا بدلہ ملے گا۔ ان آیاتِ پاک سے اصولی طور جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ خیر کا کام کوئی ایک نہیں ہے اس کی متعدد شاخیں اور جہتیں ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑا سے بڑا اور چھوٹا سے چھوٹا ہر طرح کا نیک عمل اللہ کے یہاں اجر وثواب کے اعتبار سے اہم ہے اور ہر بندے کو اس کے کیے ہوئے عمل کا اجر پورا پورا ملے گا۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کی تربیت ایسی کی ہے کہ وہ اعمالِ خیر کے خود بھی عادی ہوجائیں اور معاشرے میں اسے پھیلانے کا بھی سبب بنیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے کاموں پر ابھارنے کیلئے خود بھی ان کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور انہیں تلقین بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی انہیں رغبت دلانے کیلئے گزشتہ قوموں کے نیک لوگوں کے قصے بھی سناتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وقتاً فوقتاً آپ ﷺ

سے دریافت کیا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ! کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ اجر والا اور بہتر ہے اور موقع کی مناسبت سے حضور ﷺ انہیں مختلف جواب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا عمل افضل ہے؟''، تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا''۔

ہم لوگ چوں کہ مسلم خاندان میں پیدا ہوئے اور اسلام ہمیں گویا وراثت میں ملا ہے اس لیے اس کی اہمیت اتنی اچھی طرح ہمیں سمجھ نہیں آئے گی۔ لیکن غور کیجیے کہ ایک ایسا معاشرہ ہو جہاں تمام کے تمام لوگ اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہوں اور اس کے ساتھ بہت سی دوسری چیزوں کو شریک کرتے ہوں اور وہاں ایک معبود کو ماننے کا کوئی تصور بھی نہ ہو، تو ایسے معاشرے میں رہتے ہوئے پہلے تو ایمان کی اہمیت کا ادراک کرنا اور پھر خدائے واحد کو ماننا اور اس کا اعلان کرنا کتنا مشقت بھرا کام ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمارے لیے قرنِ اول کے مسلمانوں کی مثال کافی ہونی چاہیے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب اللہ کے نبی ﷺ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع کی اور آپ ﷺ کی باتیں کچھ لوگوں کے دل کو لگیں اور انھوں نے خدائے واحد اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا فیصلہ کیا تو انہیں کتنی جوکھم اٹھانی پڑی، وہ اپنے ہی گھر، معاشرے اور شہر میں اجنبی بنا دیے گئے، انہیں طرح طرح کی ایذائیں دی دی گئیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہیں اپنا محبوب وطن تک چھوڑنا پڑا۔ ایسے ماحول میں یقیناً ایمان لانا افضل ترین عمل ہوگا۔ اس کے کچھ نمونے تو ہمارے زمانے میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں یا خبروں کے ذریعے سے پتا چلتا ہے کہ جب کوئی نیک بخت انسان اللہ کی توفیق سے اسلام کے دامن میں پناہ لیتا ہے تو اس کیلئے بے پناہ پریشانیاں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلے تو اپنے گھر اور خاندان سے جدا ہونا پڑتا ہے، اس مرحلے سے نکلے تو پھر آج کے دور میں بے شمار قانونی پریشانیاں پیش آتی ہیں مگر جو لوگ پورے ہوش وحواس کے ساتھ اور دینِ اسلام کی اہمیت وحقانیت کو سمجھ کر اس کے آغوش میں پناہ لیتے ہیں وہ ان تمام حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دین پر قائم رہتے ہیں، ایسے میں یقیناً ایمان لانا افضل اعمال کی فہرست میں نمبر اول پر ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں دوسرا افضل عمل اللہ کے راستے میں جہاد کو بتلایا گیا ہے۔ یہ اسلام کے اولیں عہد کے مطابق قتال کے معنی میں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ نہ صرف اندرونی و بیرونی سازشوں میں مصروف تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ

اس کوشش میں بھی رہتے تھے کہ اگر مسلمان اپنی عادت سے باز نہ آئیں تو انہیں تلوار کے زور پر پست کیا جائے اور اسلام کا (نعوذ باللہ) خاتمہ کردیا جائے۔ ایسے ماحول میں لوگوں میں استقامت کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے یہ کہنا ضروری تھا کہ اللہ کے راستے میں لڑنا بھی ایک افضل عمل ہے۔ پھر حالات اور مواقع کے حساب سے یہ عمل قیامت تک کے مختلف ادوار میں افضل ہوگا۔ اگر مسلمانوں کے ساتھ دنیا کے کسی بھی خطے میں ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ اسلام باطل کے نرغے میں ہو اور اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو مٹانے کیلئے آمادۂ پیکار ہوں تو اس وقت ان سے مقابلہ کرنا افضل عمل ہوگا۔ جہاد کا ایک اور مفہوم جو احادیث سے ہی ثابت ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے نفس اور نفس کی برائیوں سے لڑیں اور اپنے آپ کو اسلام کے احکام و آداب کا عادی بنانے کی کوشش کریں۔ بلکہ ایک حدیث میں تو اللہ کے نبی ﷺ نے نفس سے لڑنے کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے یعنی یہ سب سے بڑا جہاد ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور اسے راہِ راست سے نہ بھٹکنے دے۔ آگے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ ''کونسے غلام کو آزاد کرنا افضل ہے؟'' تو اس کے جواب میں اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''جو غلام اپنے آقا کی نگاہ میں سب سے زیادہ نفیس ہو اور جو قیمت میں بھی سب سے زیادہ ہو'' اس سے یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ کے راستے میں عمدہ اور نفیس اور قیمتی چیز خرچ کرنی چاہیے، جیسا کہ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ ''تم نیکی کو نہیں پاسکتے یہاں تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیز خرچ کرو'' (آل عمران) لیکن چوں کہ ہر آدمی کی تو اتنی استطاعت ہے نہیں کہ وہ ایک عمدہ، نفیس اور قیمتی غلام کو خرید کر آزاد کرسکے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی یہ خیال آیا چنانچہ انھوں نے دریافت کیا: ''اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر کسی کام کرنے والے انسان کی مدد کرو یا کسی معذور کیلئے کام کرو'' اس میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی شخص اپنے بال بچوں اور گھر خاندان کیلئے محنت مشقت کرکے روزی حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہے لیکن وہ اس کیلئے کافی نہیں ہورہا تو آپ اس کا ہاتھ بٹائیے، اس کے کام میں آپ اس کی مدد کردیجیے تاکہ وہ اتنا کما سکے کہ اس کا گھر بار چل سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص ایسا ہے جو کوئی کام کرنا نہیں جانتا یا وہ کسی ایسے جسمانی عذر کا شکار ہے جس کی وجہ سے اس سے کوئی کام نہیں ہو پا رہا ہے، تو آپ اپنی طرف سے محنت مشقت کرکے یا مال کے ذریعے اس کیلئے روزی کا انتظام کردیجیے۔ اس کے بعد بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کیا،

پوچھا: ''اللہ کے نبی ﷺ! اگر میں کوئی کام نہ کرسکوں تو؟'' تو آپ ﷺ نے جواب دیا'' پھر تم اپنی جانب سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دو، یہ تمہارے لیے اپنی ذات پر صدقہ ہے''۔ اس حصے میں نیکی اور عملِ صالح کی آخری حد بتادی گئی ہے کہ اگر آپ کے اندر اتنی بھی استطاعت نہیں ہے کہ کسی صاحبِ ضرورت کی ضرورت میں کام آسکیں تو پھر کم سے کم اپنے آپ کو ایسا بنایئے کہ کسی کی ذات کو آپ سے تکلیف نہ پہنچے، کوئی ایسا عمل نہ کیجیے جو کسی کی رنجیدگی کا باعث ہو اور آپ کا یہ عمل بھی عنداللہ صدقے کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اسلام نے نیک عمل کا دائرہ محدود نہیں رکھا ہے بلکہ وہ حالات اور انسانی طاقت و استطاعت کے حساب سے پھیلا ہوا ہے اور جو شخص بھی ان میں سے کوئی عمل کرے گا تو وہ عنداللہ ماجور ہوگا۔ اس سے ایک چیز اور سمجھ میں آتی ہے کہ ہم اگر کوئی بڑا اور اہم نیک عمل کر رہے ہیں اور دوسرے لوگ نہیں کر رہے ہیں یا وہ کسی دوسرے عمل سے وابستہ ہیں تو اس پر ان کی تحقیر نہیں کی جاسکتی، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے عمل کی کوئی اہمیت نہیں یا یہ کہ اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کچھ لوگ دینی علوم کی تدریس واشاعت میں مشغول ہیں تو وہ دوسرے شعبے کے کام کو اتنی اہمیت نہیں دیتے یا بہت سے دعوت و تبلیغ کے بھائی علماء اور طلباء کو کم تر خیال کرتے ہیں یا اسی طرح اگر کوئی شخص مالدار ہے اور وہ اپنے مال کے ذریعے بہت سے لوگوں اور اداروں کی مدد کرتا ہے تو وہ دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی وسماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہم اولاً تو نیکی کے کاموں سے جی چراتے ہیں یا اگر کرتے ہیں تو ساتھ ہی نہ کرنے والوں کو طعنہ دینا یا انہیں کمتر سمجھنا بھی ہماری عادت ہو چکی ہے۔ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی ہدایت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے کس طرح انسانی فطرت اور اس کی وسعت وصلاحیت کا خیال رکھتے ہوئے بھرپور گنجائش رکھی اور یہاں تک فرمایا کہ اگر آپ کوئی بھی بڑا یا چھوٹا نیک عمل کرسکنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، تو کم از کم اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دیں اور اسے بھی صدقہ قرار دیا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک کوئی بھی عمل حقیر اور چھوٹا نہیں ہے اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنی وسعت کے مطابق نیک اعمال کرتے رہیں تاکہ دنیا وآخرت میں ہمیں ان کا اچھا سے اچھا بدلہ مل سکے۔

❍❖❍

# پیغمبر اسلام؛ دوستوں اور ہم عصروں کے ساتھ

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

آپ ﷺ قدم قدم پر اپنے ساتھیوں کی دلداری کا خیال رکھتے تھے، غزوۂ حنین کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں انصار میں سے بعض نوجوانوں کو شکوہ پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو الگ جمع کیا اور ایسا اثر انگیز خطبہ دیا کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں، آپ ﷺ نے اُس موقع پر جہاں انصار مدینہ پر اسلام کے احسانات کا ذکر فرمایا، وہیں انصار کے احسانات کا بھی کھلے دل سے اعتراف فرمایا اور اخیر میں ارشاد فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم نبی کو اپنے کجاوہ میں لے کر جاؤ؟ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں پیدا ہوا ہوتا، اگر لوگ ایک وادی میں چلیں تو میں اس وادی میں چلوں گا، جس میں انصار چلیں، میرے لئے انصار کی حیثیت اُس لباس کی سی ہے، جو اوپر سے پہنا جاتا ہے: ''**الانصار شعار والناس دثار**''۔(بخاری)

آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتے۔ ایک صاحب کی کھجوروں کی فصل خراب ہوگئی اور ان پر بہت سارا دَین ہوگیا، آپ ﷺ نے اپنے رفقاء سے فرمایا: ان کی مدد کرو، لوگوں نے مدد کی؛ لیکن دَین ادا نہیں ہو پایا، آپ ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے کہا: جو موجود ہو، وہ لے لو، اور تم کو صرف اسی کا حق حاصل ہے۔ (مسلم، باب استحباب وضع الدین)

اگر آپ ﷺ کے رفقاء میں سے کسی کو تکلیف دہ بات پیش آئی تو ان کی تسلی اور دلداری کا پورا اہتمام فرماتے۔ عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی تو مکہ مکرمہ میں ان کے مکان پر ابوسفیان نے قبضہ کرلیا اور بیچ ڈالا، جب انھوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ اللہ تم کو اس کے بدلے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمادے! انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کو یہ چیز، یعنی: اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ (سیرت ابن ہشام، الروض الانف)

ایک صاحب اپنے چھوٹے بچے کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے، بچہ آپ ﷺ کی پشت مبارک کی طرف آجاتا تو آپ ﷺ اسے سامنے بٹھالیا کرتے، بچے کا انتقال ہوگیا، اس صدمہ سے ان

کے والد حاضر نہ ہوسکے، آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا، ان کے بارے میں دریافت کیا، بتایا گیا کہ ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا ہے، آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی، ان کے بچہ کے بارے میں دریافت فرمایا اور تعزیت کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زندگی گذارتا، یا یہ بات کہ تم جنت کے کسی دروازے پر آؤ، اور تم دیکھو کہ وہ تم سے پہلے پہنچ چکا ہے اور تمہارے لئے دروازہ کھول رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ دوسری بات مجھے زیادہ محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ چیز تم کو حاصل ہوگئی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہ صرف ان کیلئے ہے یا سبھوں کیلئے، آپ ﷺ نے فرمایا: سبھوں کیلئے۔ (نسائی)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشکل کاموں میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شریک رہتے، غزوۂ خندق کے موقع سے سرد موسم تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم بھوکے پیاسے خندق کھودنے میں مشغول تھے اور تھک کر چور ہوجاتے تھے، ایسے وقت آپ ﷺ تشریف لاتے اور فرماتے:

**اللّٰھم إن العیش عیش الآخرۃ،** اے اللہ! عیش وآرام تو آخرت ہی کا عیش وآرام ہے؛

**فاغفر للأنصار والمھاجرۃ.** (بخاری) اس لئے انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دیجئے۔

ہم لوگ جواب میں کہتے کہ ہم نے آخری دم تک کیلئے جہاد پر (محمد ﷺ) سے بیعت کی ہے۔ (بخاری)

ایک موقع پر مدینہ میں شور مچ گیا، لوگوں کو خیال ہوا شاید دشمن حملہ آور ہوگیا ہے، سب سے آگے آپ ﷺ بڑھے اور اس حال میں واپس آئے کہ آپ ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر تھے، جس پر زین بھی نہیں تھی اور گردن مبارک سے تلوار لٹکی ہوئی تھی، آپ ﷺ فرما رہے تھے: کہ کیوں گھبراتے ہو؟ کیوں گھبراتے ہو؟ (بخاری)

ایک دفعہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تھے؛ چنانچہ ایک بکرا کو ذبح کرنے کی بات طے پائی، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کو ذبح کرنا میرے ذمہ ہے، دوسرے نے کہا: اس کے چمڑے نکالنے کا کام میں کروں گا، تیسرے نے کہا: میں اسے پکاؤں گا، رسول اللہ ﷺ نے کہا: میں ایندھن کی لکڑیاں جمع کروں گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ ﷺ کا کام ہم کردیں گے، یعنی: آپ ﷺ زحمت نہ فرمائیں! ارشاد فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ میری طرف سے کفایت کردوگے؛ لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے مقابلہ امتیاز اور بڑائی اختیار کروں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے ہیں، جو اپنے ساتھیوں میں بڑے بنتے ہوں: ''**فإن سبحانہ وتعالیٰ یکرہ من عبدہ أن یراہ متمیزا بین أصحابہ**'' (کشف الخفاء)

آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ اس طرح رہتے تھے کہ گویا آپ ﷺ ان ہی میں سے ایک ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ انصار کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، ان کے بچوں کو سلام کرتے تھے، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں دُعائیں دیتے تھے۔ (سنن بیہقی)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں سے کمزور لوگوں کے پاس تشریف لاتے تھے، ان سے ملاقات کرتے تھے، ان کے بیماروں کی عیادت فرماتے تھے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے۔ (مستدرک حاکم)

حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیواؤں اور مسکینوں کیلئے چلنے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں کوئی عار نہیں ہوتا تھا۔ (نسائی)

بہت سے لوگ جو دیہاتوں کے رہنے والے تھے، عام طور پر تہذیب ناآشنا ہوتے تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں کو بھی خندہ پیشانی سے سہ جاتے تھے، ایک موقع پر ایک دیہاتی شخص نے اس زور سے چادر مبارک کھینچ دی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس قدر فرمایا: کہ تم اسے بھلے طریقہ پر بھی تو کہہ سکتے تھے! (بخاری)

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ غزوۂ حنین سے واپس ہوئے تھے، جب ڈھیر سارا مال غنیمت آیا تھا، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے ہوئے اس قدر دِق کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت سے جا لگے، ایک دیہاتی نے چادر مبارک تک کھینچ لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس ان درختوں کے میدان کے برابر جانور ہوتے تو میں اس کو بھی تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ نہ صرف مالی جہت سے حسن سلوک کرتے تھے؛ بلکہ ان کو مشورہ میں بھی شامل رکھتے تھے؛ حالاں کہ آپ ﷺ کا ہر عمل وحی الٰہی پر مبنی ہوتا تھا؛ اس لئے آپ ﷺ کو مشورہ کی ضرورت نہیں تھی؛ لیکن اپنے ساتھیوں کی دل داری اور مشورہ کی اہمیت کو واضح کرنے کیلئے آپ ﷺ مشورہ فرمایا کرتے تھے، کثرت سے اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے: اے لوگو! مجھے مشورہ دو: ''اشیروا عليَّ أيها الناس'' (مسلم)

چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا فیصلہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ہوا؛ بلکہ

ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اپنی رائے پر اپنے رفقاء کی رائے کو ترجیح دیتے تھے، جیسا کہ غزوۂ اُحد میں ہوا۔ (سیرۃ ابن ہشام) حالاں کہ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رائے درست تھی؛ لیکن کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ساتھیوں پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، جن کے مشورہ پر عمل کیا گیا تھا اور جو بظاہر مسلمانوں کیلئے نقصان کا سبب ہوا۔

جہاں آپ ﷺ اپنے رفقاء کی مادی ضرورتوں کا اور دل داری وحسن سلوک کا لحاظ رکھتے تھے، وہیں ان کی دینی تربیت پر بھی متوجہ رہتے تھے، آپ ﷺ نے ایک صاحب کو تیز تیز نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پوری توجہ سے ان کی نماز کا جائزہ لیا اور پھر ان کو اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی۔ (مسلم)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء سے فرمایا: جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھا کرو: ''صلوا کما رأیتمونی أصلی'' (بخاری)

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شاید اس کے بعد پھر میرا اور تمہارا حج ایک ساتھ نہ ہو پائے؛ اس لئے مجھ سے ضرور ہی حج کا طریقہ سیکھ لو: ''لتأخذوا مناسکم'' (مسلم)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن پڑھوا کر سنا۔ (مسلم) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے سامنے ایک مقدمہ کا فیصلہ کروایا۔ (کنز العمال)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اجتہاد کے اُصول بتلائے۔ (ترمذی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضاء کا کام سپرد کرتے ہوئے نئے پیش آنے والے مسائل کے حل کا منہج سمجھایا کہ ان مسائل میں انفرادی رائے قائم کرنے کے بجائے اجتماعی غور وفکر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ (المعجم الاوسط)

دینی تربیت ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی تمام تر نرمی، رحم دلی، تواضع اور خوش اخلاقی کے باوجود احکام شریعت کے معاملہ میں سختی سے کام لیتے تھے، آپ ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بہت چاہتے تھے، عرب کے ایک معزز قبیلہ کی ایک خاتون نے چوری کر لی تھی اور اس پر شرعی سزا جاری کرنے کا مسئلہ تھا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں سفارش کی، تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ ﷺ نے نہ صرف ان کی تنبیہ کی؛ بلکہ اس موقع سے خطبہ بھی ارشاد فرمایا: گذشتہ قومیں اسی بنیاد پر ہلاک کر دی گئیں، کہ ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو لوگ انہیں چھوڑ دیتے اور کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر سزا جاری

کرتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا بھی خیال رکھتے کہ اگر اپنے رفقاء کے درمیان کوئی رنجش پیدا ہو جائے تو اسے دُور فرما دیں، ایک بار تو ایسا ہوا کہ آپ قبیلہ بنو عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے اور اس کوشش میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کیلئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں آ کر شریک ہوئے۔ (بخاری) اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان، مہاجرین وانصار کے درمیان، اور انصار کے دو قبائل اَوس وخزرج کے درمیان اختلاف کو دُور کرنے کی کامیاب کوشش کی اور میل ملاپ کے ماحول کو باقی رکھنے کا سبق دیا۔

اپنے احباب کے ساتھ اس حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ کا دل آپ ﷺ کی محبت سے لبریز ہوتا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض لوگ وہ تھے، جو دنیاوی مفاد کیلئے اسلام قبول کرتے تھے؛ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو مسلمان ہونا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے عزیز تر ہو جاتا تھا۔ (مسلم)

غرض کہ رسول اللہ ا کی ذات والا صفات اپنے دوستوں، بے تکلف ساتھیوں، ہم عمروں اور رفقاء کار کے ساتھ خوشگوار برتاؤ کی ایک بہترین مثال ہے! ○❖○

بقیہ مذہب، سیاست، عدالتی فیصلے......

انسانی بنیادوں پر ان سے حسن سلوک کرے۔ پڑوسی کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین اسلامی تعلیمات کا اصل جز ہے۔ پڑوسی کا کسی مخصوص مذہب سے تعلق ہو یہ نہیں کہا گیا اللہ کا شکر ہے کہ مسلمان اس معاملہ میں سیکولر ہے۔ بلکہ اگر ہمارا ریکارڈ دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہم دھوکہ دیتے ہیں تو مسلمان ہی کو، نقصان پہنچاتے ہیں اپنے ہم مذہب کو بلکہ اکثر جیلوں میں مسلم قیدی بھی نظر آتے ہیں اور اگر ان کا ریکارڈ دیکھا جائے تو ان میں سے بیشتر اپنے ہم مذہب کے قتل کے الزام میں سزا کاٹ رہے ہیں۔ مسلم قائدین چاہے ان کا تعلق کسی بھی سیاسی جماعت سے کیوں نہ ہو، یہ بھی ہمیشہ سے سیکولر کردار کے حامل رہے ہیں۔ کئی ایسے قائدین بھی ہیں جو اکثریتی طبقہ کے حلقوں سے منتخب ہوتے ہیں۔ مسلم سیاستدان بھلے ہی اپنی قوم کا کام نہ کریں وہ دیگر اقوام کے مسائل کی یکسوئی کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں سیکولر ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں ملتا۔ بہر حال سپریم کورٹ کا فیصلہ قابل قدر ہے۔ اس پر عمل آوری ہو یا نہ ہو، کم از کم ہم فکر مند نہیں ہیں، فکر مند وہ ہے جو سیکولر نہیں ہیں۔ ○❖○

# انتشاری کیفیت سے نکلنے کیلئے اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت

ڈاکٹر محمد منظور عالم

گزشتہ کئی دہائی سے دنیا بھر کے مسلمانوں بالخصوص عالم اسلام میں جس طرح افتراق وتفریق، بے چینی اور عدم اطمینان کی کیفیت پائی جارہی ہے اس نے ان ملکوں کا سکون اور امن وامان غارت کررکھا ہے جس کی وجہ سے مسلم ممالک آپس میں برسرپیکار ہیں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہورہے ہیں، ظلم وستم کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ ایک اللہ ایک قرآن کے حاملین کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے جس کی وہ رات دن دہائی دیتے ہیں۔ یہ صورتحال جہاں دہشت گرد تنظیموں کے ذریعہ دیکھنے کومل رہی ہے جن کی سفاکی اور سنگدلی نے مسلمانوں کوکٹہرے میں کھڑا کردیا ہے۔ معصوموں کونشانہ بنانا اور بےقصوروں کو جہاد کے نام پر موت کے گھاٹ اتار کر اپنے گھناؤنے فعل کوحق بجانب ثابت کرنا۔ اسی کے ساتھ خود عام مسلم گروہوں میں بھی اس قسم کے مناظر دکھائی پڑتے ہیں جہاں برتری اور غلبہ کی خواہش نے معاشرے کو بری طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ خود کو برتر اور اعلیٰ بتانے کے تصور نے دوسرے کوحقیر اور کمتر بنادیا ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا میں ہماری پہچان ایک لڑاکو اور خونخوار قوم کے طور پر کی جارہی ہے۔ ہرگزرتے دن کے ساتھ پہچان کا یہ سایہ مضبوط اور قوی ہوتا جارہا ہے۔ بات چاہے مسجد میں بم دھماکے کی ہو یا یورپ کے کسی بازار میں بے گناہ اور نہتے لوگوں کوتشدد کا نشانہ بنانے کی ہو۔ ہرجگہ مسلم نام نمایاں طور پر دکھائی پڑتا ہے۔ یہ بات بھی کم اہم نہیں ہے کہ وہ ممالک جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں بلکہ اقلیت میں ہیں وہاں بھی ان میں اتحاد نہیں پایا جارہا ہے۔ ایک دوسرے کو کافر اور بھٹکا ہوا بتانے سے کسی کو پرہیز نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں اتفاق کے بجائے اختلافات کا عنصر زیادہ دکھائی پڑتا ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کوطنز وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے اور ایسا وہ حق سمجھ کر کرتا ہے جس سے قدم پیچھے ہٹانا اس کیلئے یقین وایمان کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ مذہب کے نام پر جس طرح تشدد پروان چڑھ رہا ہے وہ اپنے آپ میں ایک بڑا سنگین اور نازک مسئلہ ہے۔

اس تناظر میں بنیادی سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں جس قسم کا باہمی انتشار پایا جاتا ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا وہ فروعی مسائل ہیں یا پھر فقہ میں آراء کولیکر ہے یا پھر بنیادی مسائل میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے ایک فریق دوسرے فریق کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے اور کفر کا فتویٰ لگانے میں دیر نہیں کرتا ہے۔

یہ صورتحال محض ایک دو دن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے دہائیوں کا سفر ہے جس نے مسلمانوں کے ذہنوں کو پوری طرح زہر آلود کر دیا ہے اور وہ اس مخصوص ذہن سے باہر نکلنے کیلئے تیار نہیں ہیں اس سے مسلمانوں کی جو تصویر اقوام عالم میں بنی ہے وہ نہایت خونخوار اور ڈراونی ہے۔ اسے یہ کہہ کر مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تو اغیار کی سازش کا نتیجہ ہے بلکہ خود اس میں ہمارا بھی رول ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اختلاف نہ تو کوئی نئی بات ہے اور نہ ہی یہ غیر مطلوب بلکہ علماء کرام کے اختلاف کو باعث رحمت بتایا گیا ہے۔ خود فقہاء میں کسی ایشو کو لیکر آراء کا اختلاف رہا ہے لیکن اس سے نہ تو ان کی عظمت اور کردار پر کوئی حرف آیا اور نہ ہی اس بنیاد پر کسی نے انہیں لعن تعن کیا بلکہ اختلاف کرنے والوں نے اپنے عمل اور کردار سے جو ثبوت دیا وہ رواداری، قوت برداشت اور احترام کا جیتا جاگتا نمونہ ہے جو ہم سب کیلئے بہترین مثال ہے۔ اس کے باوجود ان کی آراء کو لیکر ہم آپس میں اس قدر متشدد ہیں کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے سے بھی باز نہیں آرہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی تعلیمات کے برعکس ہمارا یہ رویہ کیونکر ہے؟

ایک بات اکثر دیکھی گئی ہے کہ لوگ فقہی مسائل کے سلسلے میں براہ راست علماء سے رجوع کرنے کے بجائے سڑکوں پر اس مسئلہ کو موضوع گفتگو بناتے ہیں اور ہر کوئی اپنی سمجھ اور سوچ کے اعتبار سے اس میں حصہ لیتا ہے اور صحیح غلط کی تمیز کرتا ہے۔ اس کا یہ انداز دراصل اپنے قائدین کی اس سوچ کے مطابق ہوتا ہے جس سے حوصلہ پا کر وہ اسے عوامی بنا دیتے ہیں۔ بحث ومباحثہ کی تکرار اور اعلیٰ وارفع کی خواہش کسی کو بھی پیچھے ہٹنے نہیں دیتی ہے جس کی وجہ سے دونوں فریق کسی ایک مسئلہ پر آمنے سامنے آجاتے ہیں اور ائمہ کی قوت برداشت کی روایت کے برعکس آپس میں ہی الجھ جاتے ہیں۔ نماز اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ حضور ﷺ نے اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا ہے اور نماز ہی مسلم اور غیر مسلم میں تمیز کرتی ہے اس کے باوجود کچھ لوگ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں تو کچھ ہاتھ کھول کر، تو کچھ سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود سب کی نماز صحیح ہے اور ہر کوئی اپنے ائمہ کے مطابق پیروری کرتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ ہاتھ نہیں باندھتے یا سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، بلکہ سب کا اجماع ہے کہ نماز ہوگئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کی ہر ادا اتنی پسند تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں جس طرح بھی نماز پڑھی اللہ تعالیٰ نے اسے ائمہ کے ذریعہ تاقیامت محفوظ کر دیا۔ جس پر عمل کرنا عین سنت رسول ﷺ ہے۔

مسلمانوں میں 72 فرقوں کی بات کہی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ایک فرقہ برحق ہے باقی سب ناحق ہے۔

اس بحث سے قطع نظر کہ کوئی سا فرقہ جنت میں جائے گا کیونکہ اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کرے گا لیکن بحیثیت داعی امت کے ہمارا نظریہ کیا ہونا چاہیے اور اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کیا ہے۔ کیا ہم ان دیگر فرقوں سے ایشوز کو لیکر نبرد آزما ہو جائیں اور ساری قوت اس بات پر صرف کر دیں کہ ہم حق پر ہیں اور دوسرا حق پر نہیں ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات اور انسانی سوچ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہی ہوگا جو ان دنوں پوری دنیا میں مسلمانوں کے درمیان دیکھنے کو مل رہا ہے لیکن اگر اس کے برخلاف ہم دوسرے فریق کے تئیں قوت برداشت اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بھی عزت واحترام دیں تو اس بات سے انکار نہیں کہ ان کے دلوں کو جیتا جا سکتا ہے اور برسر پیکار ہونے کی جو کیفیت ہے وہ ختم ہو سکے۔ یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ مثال دینا غلط نہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ نے فرعون وقت کے پاس بھیجا کہ جاؤ اس کو نصیحت کرو شاید کہ وہ سدھر جائے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے فرعون کا رویہ معلوم تھا اس کے باوجود اس نے اپنے پیغمبر کو نصیحت کی کہ نرمی سے بات کرنا شاید وہ سدھر جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کو یہ ہدایت کیا ہمارے لیے یہ پیغام نہیں ہے کہ ہم اپنی بات کو پیار، نرمی اور محبت سے پیش کریں اور دوسرے کو حقیر و کمتر نہ سمجھیں بلکہ اسے بھی وہی عزت واحترام دیں جس کا وہ حقدار ہے۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو بغیر کسی بجٹ کے کام کرتا ہے اور اپنے اثرات کے لحاظ سے بہت پائیدار ہوتا ہے۔ جس پر عمل کرکے ہر کوئی مشاہدہ کر سکتا ہے، شرط صرف امر سلیقہ میں ہے۔

دنیا کے بدلتے ہوئے تناظر میں جہاں علما کو وقت کے چیلنجز، زمانے کے تغیرات، اندرونی کمزوری اور مضبوطی، اغیار کے طریقۂ کار اور سازشوں کو سمجھنے ان کی حکمت عملی پر غور کرنے، بہتر طریقۂ کار اختیار کرنے کے راستے ہموار کرنے کی ضرورت ہے وہیں دانشوروں کو بھی گہرائی سے سوشل اور سائیکالوجیکل پہلو کو سمجھنے، مسلمانوں کے انتشار کی فطرت کو سمجھنے اور حالات کے مطابق بہتر حکمت عملی بنانے، علماء اور دانشوروں میں اچھے تال میل کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ آج کے نوجوان خواہ دینی علوم سے منور ہو رہے ہوں یا عصری علوم سے مستفید ہو رہے ہوں، انہیں ان چیلنجز کو علم، سمجھ، فہم، حالت کی نزاکت، مختلف ادیان کی فطرت، اغیار کی حکمت عملی کو سمجھنے، اسلامی جذبہ کو بیدار کرنے اور جذباتیت سے بچتے ہوئے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ آج کا صِغار کل کا غبار ہے۔ ○❖○

# مذہب، سیاست، عدالتی فیصلے۔ ہمیں کیا فکر، ہم تو سیکولر ہیں

از : ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز، ایڈیٹر گواہ اردو ویکلی، حیدرآباد

سپریم کورٹ کا فیصلہ جیسا بھی ہو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ مذہب، ذات پات کے نام پر ووٹ مانگنے پر پابندی عائد کر کے سپریم کورٹ نے ایک طرح سے اُن عناصر کیلئے ایک چیلنج سامنے رکھ دیا ہے جو 70 برس سے جدو جہد کرتے کرتے سیکولر ہندوستان کو زعفرانی رنگ میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ اگر اس قسم کا فیصلہ 25 برس پہلے کیا جاتا تو ہندوستان کا سیکولر کردار کا مذاق نہ بنتا۔ نہ شیلا نیاس ہوتی نہ رام رتھ یاترا نکلتی نہ فرقہ پرست عناصر صدیوں سے ہندوستان کی مذہبی رواداری کی علامت کے طور پر قائم بابری مسجد کو شہید نہ کرتے۔ اگر یہ فیصلہ تین برس پہلے بھی آجاتا تو ہندوتوا کا نعرہ لگا کر ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کا خواب دکھا کر بی جے پی کا اقتدار نہ ہوتا۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے کیوں کہ ہندوستان میں صرف اُن حلقوں سے مسلم امیدوار اب کامیاب ہونے لگے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اور اس کی بھی اب کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی کیوں کہ 2013ء کے پارلیمانی انتخابات میں مسلم ووٹ بینک کی اصطلاح غلط ثابت ہوئی۔ آئندہ بھی بہت کم حلقوں سے کم از کم مسلم امیدوار مذہب کی بنیاد پر کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ وہ پارٹی، اس کی کارکردگی اور ویژن کے اساس پر منتخب ہوسکتے ہیں۔ اس کے برخلاف اکثریتی طبقہ میں مذہب کی بنیاد پر ووٹ مانگنے کی روایت تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ کیوں کہ زعفرانی جماعتوں نے نئی نسل کی اس قسم کی ذہنی وفکری تربیت کی ہے کہ سیکولرزم ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کا اثر ہم ہر شعبہ حیات میں دیکھ رہے ہیں۔ چاہے وہ عدلیہ ہو، نظم ونسق، پولیس یا اور کوئی شعبہ۔

یہ سچ ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے۔ بابائے قوم گاندھی جی ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ انہوں نے قرآن کا بھی مطالعہ کیا۔ سیرت النبی ﷺ اور سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی متاثر رہے۔ بلکہ انہوں نے طرز حکمرانی کیلئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت سے سبق حاصل کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔

اس کے باوجود اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ''رام راجیہ'' کی بات کہی۔کل تک جو گاندھی جی کے قاتلوں کی صف میں اوران کے ہم خیال تھےانہوں نے ''رام راجیہ'' سے ''ہندوتوا'' کے نظریہ کو عام کیا۔اوراس ملک کی فضاؤں کو اس قدر زہر آلود کیا کہ اکثر موقعوں پر اقلیتوں کیلئے سانس لینا بھی دشوار ہوگیا۔ ہندوستان ہمیشہ سیکولر ملک رہا'اس کے باوجود کہ 70 برس میں پچاس ہزار سے زائد مسلم کش فسادات ہوئے۔ اس کے باوجود کہ علامہ اقبالؒ کے ترانہ ہندی کو''قومی ترانہ'' کا مقام نہ مل سکا۔اس کے باوجود کہ پورے ملک کی رابطہ کی زبان ہونے کے باوجود اردو کو پہلی سرکاری زبان کا درجہ نہ مل سکا، ترانہ ہندی اور اردو کو اس کے مقام سے محروم کس نے کیا؟ یقیناً تاریخ کے کسی نہ کسی ورق پر اس کا نام لکھا ہوگا۔ہندوستان بلاشبہ سیکولر ملک ہے جہاں تمام شہریوں کو بلالحاظ مذہب، ذات پات، علاقے ترقی کے مساوی مواقع فراہم کئے گئے ہیں (دستور میں)۔یہ اور بات ہے کہ آزادی کے 65 برس بعد جب حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جاتا ہے تو سچ کا کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے کہ اس عرصہ میں سب سے زیادہ پسماندہ ترین قوم مسلمان ہے (سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق)۔اور سچ کا آئینہ منہ چڑھاتا ہے کہ مسلمانوں کا فیصد تناسب فوج، پولیس، سرکاری ملازمتوں کے ساتھ ساتھ ایوانان مقنّنہ میں بھی کم ہوتا جارہا ہے۔جبکہ مسلم آبادی میں اضافہ کی متضاد اطلاعات ہیں۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کا سب سے زیادہ اگر خیر مقدم کریں گے تو مسلمان۔کیوں کہ مسلمانوں کو مذہب کے نام پر ووٹ مانگنے کی ضرورت نہیں رہی۔مسلم اکثریتی انتخابی حلقوں میں ہر ایک جماعت مسلم امیدواروں ہی کو میدان میں اُتارتی ہے۔ان کی اندرونی سازش یہی ہوتی کہ مسلم ووٹ تقسیم ہوجائے، بکھر جائے اور مسلم حلقوں سے بھی کوئی غیر مسلم امیدوار منتخب ہوجائے۔اکثر یہ سازش کامیاب رہتی ہے کیوں کہ ہر الیکشن میں کچھ ضمیر اور قوم فروش اپنے مالی مفادات کی خاطر ووٹ تقسیم کرنے کیلئے میدان میں اترتے ہیں۔ اور مسلم امیدواروں کی شکست کی راہ ہموار کرتے ہیں۔مسلم آبادی علاقوں سے بھی اکثر غیر مسلم امیدوار ہی پارٹی کی بنیاد پر کامیاب ہوتے ہیں اور یہ آزاد ہندوستان کی قدیم روایت رہی ہے۔کانگریس' کمیونسٹ پارٹیاں حتیٰ کہ تلگودیشم اور جنتا پارٹی بھی سیکولر ووٹوں سے اقتدار حاصل کرتی رہی مگر جب جن سنگھیوں نے اس ملک کو فرقہ پرستی کی بنیاد پر تقسیم کرنا شروع کیا اور 1980ء میں بی جے پی کی تشکیل عمل میں آئی تب سے لیکر آج تک فرقہ پرستی کا زہر ہندوستانی سماج کے رگ و ریشے میں سرایت کرگیا۔اس کا اثر سامنے ہے کہ

33 برس میں دو پارلیمانی نشستوں سے 282 تک اس کی تعداد ہو چکی ہے۔ یہ تمام نشستیں کیسے حاصل کی گئیں، کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مسلمانوں کو نشستیں حاصل کرنے کیلئے مذہب کی دہائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمان بنیادی طور پر سیکولر رہا ہے' ہندوستانی دستور میں سیکولر کی اصطلاح یہ ہے کہ اس کا کوئی اپنا مذہب نہیں اور دستور کی دفعہ 25 تا 30 میں مذہبی آزادی کی طمانیت دی گئی ہے۔ ہر ہندوستانی کو اپنی مرضی سے کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ جبکہ اسے اپنے تعلیمی ادارے چلانے کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔ اسے تحریر اور تقریر اظہار کی آزادی حاصل ہے جو دوسروں کی آزادی میں مخل نہ ہو۔ ہندوستانی مسلمان نے آزادی سے پہلے بھی اور آزادی کے بعد بھی صحیح معنوں میں اس ملک کو سیکولر بنانے کی کوشش کی۔ مسلم حکمرانوں نے یہاں صدیوں حکومت کی۔ اپنے کردار، مذہبی رواداری، عدل وانصاف سے انہوں نے ہندوستانیوں کے دل جیتے۔ مگر کبھی ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہر مسلم حکمران نے تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے مصاحبین کے حلقے میں جگہ دی۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ منصب اور جاگیریں عطا کیں۔ یہی نہیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں منادر اور دیگر عبادت گاہیں مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی آج بھی گواہی دیتی ہیں۔ مغل شہنشاہ بابر اعظم کی اپنے شہزادہ ہمایوں کو وصیت کہ گاؤکشی سے اجتناب کریں، تاکہ یہاں کے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اورنگ زیب سے کچھ فرقے اور طبقات نفرت کرتے ہیں۔ بقول مولانا عیسیٰ منصوری صدر ورلڈ اسلامک فورم کے الفاظ میں کتنے لوگ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ شیواجی کے ایک بیٹے کی اورنگ زیب نے پرورش بھی کی۔ حیدرآباد سب سے بہترین مثال ہے جہاں قطب شاہی اور آصف جاہی حکمرانوں کے دربار اور فوج ولشکر میں غیر مسلم حضرات کی اکثریت تھی۔ آخری نظام نواب میر عثمان علی خان نے ہندو مسلم دونوں کو اپنی دو آنکھیں قرار دی تھیں۔ مسلمان اب حاکم نہیں رہے' محکوم ہیں، مظلوم ہیں، اس کے باوجود ان کی مذہبی رواداری میں سیکولر کردار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ویسے بھی مسلمانوں سے زیادہ سیکولر کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ سیکولر اُس کو نہیں کہتے جو گنپتی کے جلوس میں ٹھمکے لگائے' یا دیوالی دسہرہ منائے۔ یا سال نو کی تقاریب کا اہتمام کرے۔ یا کسی مذہبی تقریب میں کسی مورتی کی آرتی اُتارے' ماتھے پر تلک لگالے بلکہ سیکولر تو وہ ہے جو اپنے مذہب پر سختی سے قائم رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے جذبات کا احترام کرے' انہیں ٹھیس نہ پہنچائے۔ بقیہ صفحہ 22/ پر ملاحظہ ہو!

# عورتوں کے سماجی حقوق

## تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مقالہ نگار: نورالہدیٰ، ریسرچ اسکالر شعبۂ سنی دینیات، اے ایم یو، علی گڑھ

اسلام کی آمد سے قبل عورت بہت مظلوم اور معاشرتی وسماجی عزت واحترام سے محروم تھی۔ اُسے تمام برائیوں کا سبب اور قابل نفرت تصور کیا جاتا تھا۔ اہل عرب کے بدترین رویئے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْن ٥ (سورۂ نحل: آیت: ۶۲)

اللہ تعالیٰ کیلئے وہ امور تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور اپنی زبان سے جھوٹے دعویٰ کرتے جاتے ہیں کہ ان کیلئے ہر طرح کی بھلائی ہے۔ لازمی بات ہے کہ ان کیلئے دوزخ ہے اور بے شک وہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

دوسری آیت:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْن ٥ (سورۂ نحل: آیت: ۵۷)

اور اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ اور اپنے لئے چاہتے ہیں چیز۔

قرآن حکیم کی ان آیات سے واضح ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورت کا مرتبہ ناپسندیدہ تھا۔ وہ مظلوم اور ستائی ہوئی تھی۔ اور ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت مردوں کے لئے تھی۔ اس میں عورتوں کا حصہ نہ تھا حتی کہ عام معاملات زندگی میں بھی اچھی چیزیں خود رکھ لیتیا ور بے کار عورتوں کو دیتے۔

## نومولود بچیوں کی زندہ دفن کرنے کی رسم

دور جاہلیت میں مشرکین عورت کو کسی رتبے اور مقام کا اہل نہ سمجھتے تھے اس لئے وہ لڑکی پیدا ہونے پر غصہ ہوتے، حالانکہ وہ یہ جانتے تھے کہ نظام کائنات کے تحت شادیوں کیلئے لڑکی کی پیدائش ضروری ہے اس کے باوجود اس نظام کے خلاف اس حد تک چلے جاتے کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔

قرآن کریم میں ان لوگوں کے طرز عمل کے خلاف آیت اتری ہے، کہ جب ان کے یہاں کسی بچی کی ولادت ہوتی وہ غضبناک ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قبیح عادت کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ه (سورہ نحل: آیت: ۵۸ - ۵۹)

اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے، جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے، آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت بری ہے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم قبیح کو قرآن حکیم دوسر مقام پر اس طرح بیان کرتا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَت ه (سورہ تکویر: آیت: ۸ - ۹)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔

اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے قتل انسانی کی ممانعت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْن ه (سورہ انعام: آیت: ۱۵۱)

آپ کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھکر سناؤں جن کو تمھارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو، اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو۔ ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے، اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ پوشیدہ ہوں اور جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم سمجھو۔

## اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ:

اسلامی کی آمد عورت کیلئے غلامی، ذلت اور ظلم و استحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھی، اور عورت کو وہ حقوق عطا کئے جس سے وہ معاشرے میں اس عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔

یہاں ہم اسلام کے قائم کردہ سماج میں عورت کی تکریم و منزلت کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے درجے میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا ہے۔ اسی طرح انسانیت کی تکوین میں عورت مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَـاَيُّهَـا الـنَّـاسُ اتَّـقُـوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَـلَـقَـكُـمْ مِّـنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا o (نساء: آیت:۱)

اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو کہ جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

(۲) عورت پر سے دائمی معصیت کی لعنت ہٹادی گئی اور اس پر سے ذلت کا داغ دور کر دیا گیا کہ عورت اور مرد دونوں کو شیطان نے وسوسہ میں ڈالا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ o (بقرہ آیت:۳۶)

پس لغزش دیدی آدم و حوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے۔

(۳) عورت کو زندہ زمین میں گاڑ اجانے سے خلاصی ملی۔ یہ وہ بری رسم تھی جو احترام انسانیت کے منافی تھی۔

(۴) اسلام عورت کیلئے تربیت اور نفقہ کے حق کا ضامن بنا کر اسے روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج کی سہولت ''ولی الامر'' کی طرف سے ملے گی۔

(۵) عورت کی تذلیل کرنے والے زمانۂ جاہلیت کے قدیم نکاح جو درحقیقت زنا تھے اسلام نے ان سب کو باطل کر کے عورت کو عزت بخشی۔

اب ہم ان حقوق کا جائزہ لیتے ہیں جو اسلام نے عورت کو مختلف حیثیتوں میں عطا کیے۔

**(۱) عصمت وعفت کا حق:** سماج میں عورت کی عزت واحترام کو یقینی بنانے کیلئے اس کے حق عصمت کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے عورت کو حق عصمت عطا کیا اور مردوں کو بھی پابند کیا کہ وہ اس کے حق عصمت کی حفاظت کریں:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا يَصْنَعُوْنَ o (سورہ: نور: آیت: ۳۰)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کیلئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بے شک اللہ تعالی کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد عورتوں کو حکم ہوتا ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص

اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اُس میں سے کھلا رہتا ہے، اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں، اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر، یا اپنی حقیقی، علاتی اور اخیافی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں، اور ان کو ذرہ توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ناواقف ہیں،

وَلَایَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ o(النور:۳۱)

اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں، کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے، اور سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (سورہ نور)

اسلام نے قانون کے نفاذ میں بھی عورت کے اس حق کو مستحضر رکھا۔ خلفاء راشدین کا طرز عمل ایسے اقدامات پر مشتمل تھا جن سے نہ صرف عورت کے حق عصمت کو مجروح کرنے والے عوامل کا تدارک ہوا بلکہ عورت کی عصمت وعفت کا تحفظ بھی یقینی ہوا۔

**(۲) عزت اور آزادی کا حق:** سماج میں عورتوں کی عزت اور عفت وعصمت کی حفاظت ان کی رازداری کے حق کی ضمانت میں ہی مضمر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو رازداری کا حق عطا فرمایا اور دیگر افراد معاشرہ کو اس حق کے احترام کا پابند کیا۔

خود نبی اکرم ﷺ کا یہی دستور تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ حسب معمول ''السلام علیکم'' کہا۔ سعد نے جواب میں آہستہ سے وعلیکم السلام کہا جو آپ ﷺ سن نہ سکے۔ اسی طرح تینوں بار ہوا۔ آخر جب آپ ﷺ یہ خیال کر کے واپس جانے لگے کہ غالباً گھر میں کوئی نہیں تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوڑ کر آئے اور آپ ﷺ کو ساتھ لے گئے اور عرض کیا: ''**یا رسول اللہ ﷺ انی کنت اسمع تسلیمک و ارد علیک رداً خفیاً لتکثر علینا من السلام**'' (امام احمد بن حنبل، مسند احمد، المطبعۃ المیمنۃ مصر ۱۳۱۳ھ: ۲۲۱/۳) حضور ﷺ میں نے جواب تو دیا تھا لیکن آہستہ سے میں یہ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ بار ہمارے لئے دعا کریں۔

انہی معنوں میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''**الا ستیذان ثلاث فان اذن لک و الا فارجع**'' (صحیح مسلم: ۲۱۱) جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو چاہئے کہ واپس چلا آئے۔

**(۳) تعلیم و تربیت کا حق:** حضور ﷺ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کو اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے جتنا کہ مردوں کی۔ اسلامی معاشرے میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی شخص لڑکی کو لڑکے سے کم درجہ دیکر اس کی تعلیم و تربیت نظر انداز کردے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**الرجل تکون لہ الامۃ فیعلمھا فیحسن تعلیمھا و یود بھا فیحسن ادبھا ثم یعتقھا فیتزوجھا فلہ اجران** ''(بخاری شریف کتاب الجہاد، باب فضل من اسلم) اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو پھر وہ اسے تعلیم دے اور یہ اچھی تعلیم ہو، اور اس کو آداب مجلس سکھائے اور اچھے آداب ہوں، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس شخص کیلئے دوہرا اجر ہے۔

یعنی ایک اجر تو اس بات کا کہ اس نے اسے اچھی تعلیم دی اور اچھے آداب سکھائے اور دوسرا اجر اس امر کا کہ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلیا اور اس طرح اس کا درجہ بلند کیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام اگر باندیوں تک کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کو کار ثواب قرار دیتا ہے تو وہ آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیم سے محروم رکھے جانے کو کیونکر گوارا کرسکتا ہے۔

**(۴) حسن سلوک:** نبی اکرم ﷺ نے عورتوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی اور زندگی کے عام معاملات میں عورتوں سے عفوودرگذر اور رافت ومحبت پرمبنی سلوک کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**المرأۃ کاضلع ان اقمتھا کسرتھا وان استمتعت بھا استمتعت بھا و فیھا عوج** ''(بخاری شریف) عورت پسلی کی مانند ہے اگر اسے سیدھا کروگے تو ٹوٹ جائے گی اگر اسی طرح اس کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہو تو فائدہ اٹھا سکتے ہو ورنہ اس کے اندر ٹیڑھا پن موجود ہے۔

**(۵) ملکیت اور جائداد کا حق:** اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حق ملکیت عطا کیا۔ وہ نہ صرف خود کما سکتی ہیں بلکہ وراثت کے تحت حاصل ہونے والی املاک کی مالک بھی بن سکتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

| | |
|---|---|
| لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ط وَلِلنِّسَآءِ | مردوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور |
| نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ | عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ |
| فَضْلِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا o | (النساء، آیت: ۳۲) |

عورت کا حق ملکیت طلاق کی صورت میں بھی قائم رہتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''**فی الذی طلق امرأتہ و ھو مریض قال ترثہ فی العدۃ ولا یرثھا** ''(السنن الکبریٰ للبیہقی) اگر شوہر نے اپنی بیماری کی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو بیوی دوران عدت اس کی وارث ہوگی لیکن شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا۔

**(۶) حرمت نکاح کا حق:** اسلام سے قبل مشرکین عرب بلا امتیاز ہر عورت سے نکاح جائز سمجھتے تھے باپ مرجاتا تو بیٹا ماں سے شادی کر لیتا۔ اسلام نے عورتوں کے حقوق نمایاں کرتے ہوئے بعض رشتوں سے نکاح حرام قرار دیا اور اس کی پوری فہرست گنوادی۔ ارشاد ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡفَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورہ النساء: آیت: ۲۳)

تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں، تمہاری بیوی کی مائیں، تمہاری گود میں پرورش پانے والیاں وہ لڑکیاں جو تمہاری عورتوں (کے بطن) سے ہیں، جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر ان کی (لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) اور کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے کہ) تم دونوں بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے جو دور جہالت میں کر چکا۔

ان سارے دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام اور سرکار دو عالم ﷺ نے عورت کو معاشرے کے اندر ایک انمول اور بے مثال مقام عطا کیا ہے جو جس سے عورت احساس کمتری کی شکار ہونے کے بجائے تعلیمات نبوی کی روشنی اور اسلام کی چہار دیواری میں سکون سے رہ سکے اور اپنے حقوق کی پاسداری کر سکے۔

○❖○

ماہ نامہ ندائے قاسم ایک خاموش تحریک،
ہر گھر کی ضرورت، خود بھی پڑھیں، اور دوسروں کو بھی توجہ دلائیں!

# سیکولر یورپی تہذیب کا ایک اور بیمار تحفہ

## ایڈز (AIDS)

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

ایڈز ایک متعدی مرض ہے جو انسان کے مدافعاتی نظام کو بری طرح پامال کر دیتا ہے اور انسانی جسم میں بیماریوں کے جنگ لڑنے کی صلاحیت جس کے باعث انسان اس دنیا میں زندہ رہتا ہے، ایڈز اس صلاحیت کو رفتہ رفتہ بالکل ختم کر چھوڑتی ہے۔ ایڈز کی بہت بڑی وجہ کثرت زنا ہے۔ ایک حدیث نبوی ﷺ کے مطابق: ''جب زنا عام ہو جائے گا تو ایسی بیماریاں جنم لیں گی جن کا علاج نہیں ہوگا''۔ پس سیکولر مغربی تہذیب کے غلبے کے بعد سے ایک سے ایک نت نئی بیماریوں نے قبیلہ بنی نوع انسان کے گھر کو تاک لیا ہے اور سر توڑ کوششوں کے بعد ایک بیماری کا علاج ابھی دریافت ہونے پاتا ہے تو دوسری جان لیوا بیماریاں سر اٹھا لیتی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کم و بیش سوا چار کروڑ افراد اس موذی مرض کے جراثیموں کا شکار ہیں جن کی بہت بڑی تعداد امریکہ اور یورپ کے علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جو دنیا میں ''ترقی یافتہ'' ممالک کہلاتے ہیں یا پھر دوسرے نمبر پر ان ممالک میں یہ مرض زیادہ پایا جاتا ہے جہاں ترقی یافتہ ممالک کے لوگ ''سیر و تفریح'' کیلئے جاتے ہیں، وجہ صاف ظاہر ہے۔

انسانی تاریخ میں ایڈز سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والے کسی اور متعدی مرض کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔ 1981ء میں سب سے پہلے یہ مرض دریافت ہوا اور اس مرض کے حامل امریکہ اور کیلیفورنیا کے ہم جنس پرست لوگ تھے، خاص طور پر مرد ہم جنس پرست افراد بری طرح سے اس مرض میں گرفتار ہیں اور اس کے پھیلنے کا سبب بھی بن رہے ہیں جب کہ ہم جنس پرست عورتوں میں یہ شرح نسبتاً کم ہے۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں جنس مخالف کے ساتھ ناجائز تعلقات بھی اس مرض کا سبب ہیں۔ ایڈز کے مریض یا مریضہ کے ساتھ جو بھی لطف اندوز ہوتا ہے وہ اس مرض کا لازمی شکار ہو جاتا ہے۔ محسن انسانیت ﷺ کا قول کس قدر درست اور سچا ہے کہ طبی تحقیقاتی اداروں کی رپورٹ کے مطابق ایڈز زدہ افراد کے ساتھ صرف جنسی تعامل

سے ہی یہ مرض پھیلتا ہے محض ہاتھ ملانے سے، گلے ملنے سے، ایک ہی برتن یا تولیہ استعمال کرنے سے یا ایک ہی بیت الخلا کے استعمال سے یہ مرض کسی دوسرے کولاحق نہیں ہوتا۔

ایڈز کے جرثوموں (HIV) کی آمد کہاں سے ہوئی؟؟ یہ ایک بہت بڑا سوال تھا جو طبی ماہرین کیلئے ایک ناقابل حل معمہ بن چکا تھا۔ بہت تحقیق وجستجو کے بعد اور بہت زیادہ انسانی ومالی وسائل کے صرف ہونے کے بعد پتہ چلا کہ اس مرض کے جراثیم دراصل افریقہ میں بن مانس کی ایک نسل کے اندر پائے جاتے ہیں اور اس نسل کے جانوروں کے ساتھ کسی انسان نے اس حد تک جنسی قربت اختیار کی کہ اس جانور سے یہ جراثیم انسان کے اندر اور پھر دیگر انسانوں میں نفوذ کرتے چلے گئے اور سالوں کے بعد 1999ء میں اس حقیقت تک رسائی حاصل ہوئی اور ان تحقیقاتی اداروں کے مطابق 1940ء اور 1950ء کے عرصے دوران یہ مرض اس جانور سے انسانوں میں منتقل ہوا۔ قرآن مجید نے سورہ فرقان کے اندر انسان کی اس گری ہوئی خباثت پر بہت خوبصورت تبصرہ کیا ہے: کہ'' کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے''۔ (آیات 44-43)

جس کو ایڈز کا مرض لاحق ہو جائے تو پہلے مرحلے میں ابتدائی ایک سے تین ہفتوں کے دوران اسے عام سی بیماریاں لاحق ہونے کی شکایت رہتی ہے جیسے گلے کی خراش، نزلہ زکام، جلد میں خارش، بخار، سر درد، تھکاوٹ اور مسلسل بے آرامی و بے چینی وغیرہ، یہ ابتدائی شکایات بعض اوقات چار ہفتوں تک بھی جاری رہ سکتی ہیں۔ اس دوران انسانی جسم ان ایڈز کے جرثوموں (HIV) کے ساتھ جنگ تو کرتا ہے اور انہیں کبھی کبھی کمزور بھی کر پاتا ہے لیکن ختم نہیں کرسکتا۔ ایڈز کے مریض کا دوسرا مرحلہ کافی طویل ہوتا ہے اور بعض اوقات دس سالوں تک بھی محیط ہو جاتا ہے۔ اس دوسرے مرحلے میں مریض کی صحت اگرچہ بہت اچھی رہتی ہے اور دیکھنے میں وہ تندرست وتوانا نظر آتا ہے اور بظاہر اسے کوئی عارضہ بھی لاحق نہیں ہوتا لیکن ایڈز گھن کی طرح اسے چاٹتی رہتی ہے اور اندر ہی اندر بیماریوں سے بچاؤ کا مدافعاتی نظام تباہ و برباد ہوتا رہتا ہے۔ اس دوسرے مرحلے کی سب سے خطرناک بات یہ ہے مریض کو اپنے مرض کا پتہ ہی نہیں چلنے پاتا کہ وہ علاج کراسکے۔ ایڈز کے تیسرے مرحلے کے مریض کا وزن گھٹنا شروع ہو جاتا ہے، اسے وقفے وقفے سے بخار آتے ہیں، پیچش لاحق رہتی ہے،

گلا مسلسل شکایت کرتا رہتا ہے، زبان اور منہ بھی بدذائقہ رہنے لگتے ہیں اور خواتین بھی اپنی مخصوص بیماریوں میں مبتلا رہنے لگتی ہیں۔ یہ تیسرا مرحلہ اگرچہ جان لیوا نہیں ہوتا لیکن مریض کیلئے بہت صبر آزما ضرور ہوتا ہے۔ آخری مرحلے میں بعض لوگ ایڈز کے باعث کینسر جیسے موذی مرض میں بھی گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہوش رُبا بات یہ ہے کہ بچے بھی اس مرض کا شکار ہیں کیونکہ سیکولرازم کی جنسی آزادی نے انسانوں کی اس قیمتی متاع کو بھی معاف نہیں کیا اور بچوں میں یہ مرض بڑوں کی نسبت زیادہ تیزی سے پھیلتا ہے کیونکہ ان کا مدافعاتی نظام ویسے ہی ابھی کمزور ہوتا ہے اور ان جرثوموں کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ خاص طور پر ایڈز کا شکار نومولود بچے دوسال سے زیادہ سانس نہیں لے سکتے اور بالآخر موت کا خونخوار آسیب انہیں ہڑپ کر جاتا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے حوالے سے 2007ء کے اعداد وشمار کے مطابق سال کے آغاز میں ساڑھے تین کروڑ مرد، تین کروڑ سے زائد عورتیں اور ڈیڑھ کروڑ سے زائد بچے اس مرض کا شکار تھے، اس سال کے دوران ڈھائی کروڑ بالغ اور دو کروڑ سے کچھ زائد بچے اس مرض کا شکار ہوئے، جن میں سے چار لاکھ بیس ہزار افراد جان کی بازی ہار گئے اور باقیوں میں سے اکثریت زندگی سے مایوس ہو کر اپنے وسائل کا ایک بہت بڑا حصہ اس بیماری کے علاج پر روزانہ خرچ کرتے ہیں۔ بھارت میں اس وقت کم وبیش چالیس لاکھ لوگ اس بھیانک مرض کے جرثوموں کا شکار ہیں جبکہ چین کے اندر ایڈز کا پھیلاؤ سب سے کم ہے کیونکہ ان کی قیادت نے کثرت زنا کا سبب بننے والے انٹرنیٹ کلبوں کو بہت پہلے ریاستی قوت سے بزور بند کرا دیا تھا اور یوں ان کی نوجوان نسل ایک بہت بڑی تباہی سے بچ گئی۔ ان حقائق سے آنکھیں کھل جانی چاہئے کہ انسانوں کی کتنی بڑی تعداد ''سیکولرازم'' کی آزادیوں کی بھینٹ چڑھتی چلی جارہی ہے اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کا عمل ہنوز جاری ہے، اور ایڈز کی بین الاقوامی کانفرنسوں کے انعقاد کے باوجود بھی ابھی تک واپسی کا سفر شروع نہیں ہوسکا۔ اقوام متحدہ کے ایڈز سے روک تھام کے ادارے نے خبردار کیا ہے کہ اگر اس رفتار سے بڑھتے ہوئے اس مرض کو باگیں نہ ڈالی گئیں تو بہت جلد یہ کل انسانیت کو اپنے جبڑوں میں کس لے گا۔

یورپ کے ''دانشوروں'' نے ایڈز سے بچاؤ کے متعدد طریقے تجویز کیے ہیں، مثلاً جنسی تعامل کے دوران غبارے استعمال کیے جائیں تاکہ ایڈز کے جراثیم جہاں سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتے ہیں وہاں کے راستے بند ہوں، بعض ''سیکولر عقلمندوں'' نے تجویز کیا کہ خواتین یا مرد اپنی شرمگاہوں میں وہ خاص کریم استعمال کریں

جسے مخصوص اصطلاح میں ''جیلی'' کہا جاتا ہے جس سے جنسی اعضاء کی جلد یں ایک دوسرے کو مس نہیں کرتیں اور یوں ''سیکس ورکر'' ایک دوسرے سے محفوظ رہتے ہیں لیکن اس جیلی کے استعمال کیلئے مناسب ہے کہ وہ دوسرے کے علم میں نہ ہو کیونکہ اس سے شائد لذتوں کی تکمیل نہیں ہو پاتی یہ اور اس طرح کے کئی اخلاق باختہ طریقے جو متعدد سائٹس پر اس مضمون کی تیاری کے دوران پڑھے گئے اس قابل نہیں ہیں اس تحریر کا حصہ بنائے جاسکیں اور اس بیماری کی تحقیق وعلاج پر خرچ ہونے والے اخراجات کا تو تخمینہ ہی آسمان سے باتیں کررہا ہے، بلینز اور ٹریلینز کی رقومات ہیں جو دنیا کی بہترین کرنسیوں میں ادا کی جاتی ہیں تاکہ اس بیماری سے بچاؤ کی کوئی موثر تدابیر وادویات تیار کی جاسکیں۔

تف ہے ان یوررپ کے ''اہل دانش'' پر کہ درخت کو اکھاڑنے کیلئے اس کی جڑ پر وار نہیں کرتے اور صرف پتے اور شاخیں ہی کاٹ کر سمجھتے ہیں کہ یہ بیماری ختم ہو جائے گی جبکہ وہ درخت پہلے سے زیادہ تیزی سے پھیلنے لگتا ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر انسانیت کو ''حکم'' دیا ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ اور پھر یہ بھی کہ دیا کہ زمانے کی قسم کل انسان نقصان میں ہیں اور اس نقصان سے صرف وہی بچ سکتے ہیں جو ایمان لائے ہوں نیک عمل کرتے ہوں اور حق وصبر کی تاکید وتلقین کرتے ہوں۔ جب تک آزادی نسواں کے نام پر آزادی زنا کا خاتمہ نہیں کیا جاتا، جب تک کمرشل ازم کے نام پر اشتہارات میں خواتین کی نمائش پر پابندی نہیں لگائی جاتی، جب تک سیکولرازم کے نام پر ذہنی وفکری آوارگی کو پابند وحی الہی نہیں کیا جاتا اور جب تک انبیاء **علیہم السلام** کے عطا کردہ خطوط پر خاندانی نظام دوبارہ استوار نہیں کیا جاتا اس وقت تک کسی طرح کا بھی اخلاق وقانون انسانوں کو اس جنجال اور اس بھنور سے باہر نہیں نکال سکتا۔ عقل وخرد کے اس تجربے میں یورپ بہت تیزی سے مانی ازم کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن انسانیت کی فوز وفلاح وکامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ وہ خطبہ حجۃ الوداع کی ٹھنڈی چھاؤں میں آجائے کہ اس کے علاوہ سب راستے دنیا وآخرت کی آگ کی طرف دھکیلنے والے ہیں۔

❍❖❍

# اسلام کے پانچویں رُکن یعنی حج کی اہمیت وفضیلت

محمد نجیب قاسمی، سنبھلی، ریاض

حج کی فرضیت کے بعد ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے:

اس اہم عبادت کی حضوصی تاکید احادیث نبویہ میں وارد ہوئی ہے اور اُن لوگوں کیلئے جن پر حج فرض ہوگیا ہے لیکن دنیاوی اغراض یا سستی کی وجہ سے بلاشرعی مجبوری کے حج ادا نہیں کرتے، سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فریضہ حج ادا کرنے میں جلدی کرو کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اسے کیا عذر پیش آجائے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے (یعنی جس پر حج فرض ہوگیا ہے) اس کو جلدی کرنی چاہئے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا شدید مرض نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا اور مرگیا تو وہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے۔ (الدارمی) (یعنی یہ شخص یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہے)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ کچھ آدمیوں کو شہر بھیج کر تحقیق کراؤں کہ جن لوگوں کو حج کی طاقت ہے اور انھوں نے حج نہیں کیا، تاکہ ان پر جزیہ مقرر کردیا جائے۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس نے قدرت کے باوجود حج نہیں کیا، اس کے لئے برابر ہے کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا عیسائی ہوکر۔ (سعید نے اپنی سنن میں روایت کیا)

## حج کی اہمیت وفضیلت:

احادیث نبویہ میں حج بیت اللہ کی خاص اہمیت اور متعدد فضائل احادیث نبویہ میں وارد ہوئے ہیں، چند احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج مقبول۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کیلئے حج کیا اور اس دوران کوئی بیہودہ بات یا گناہ نہیں کیا تو وہ (پاک ہوکر) ایسا لوٹتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز (پاک تھا)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو دونوں عمروں کے درمیان سرزد ہوں اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پے در پے حج وعمرے کیا کرو۔ بے شک یہ دونوں (حج وعمرہ) فقر یعنی غریبی اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اپنا دایاں ہاتھ آگے کیجئے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، عمرو کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا (گزشتہ) گناہوں کی مغفرت کی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام (میں داخل ہونا) گزشتہ تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے، ہجرت گزشتہ تمام گناہوں کو مٹادیتی ہے اور حج گزشتہ تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو حاجی سوار ہوکر حج کرتا ہے اس کی سواری کے ہر قدم پر ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو حج پیدل کرتا ہے اس کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے لکھی جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

دریافت کیا گیا کہ حرم کی نیکیاں کتنی ہوتی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ (بزاز، کبیر، اوسط)

## عورتوں کیلئے عمدہ ترین جہاد حج مبرور:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہے کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے، کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں (عورتوں کے لئے) عمدہ ترین جہاد حج مبرور ہے۔ (بخاری)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورتوں پر بھی جہاد (فرض) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں خوں ریزی نہیں ہے اور وہ حج مبرور ہے۔ (ابن ماجہ)

## حجاج کرام اللہ کے مہمان ہیں اور ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں تو وہ قبول فرمائے، اگر وہ اس سے مغفرت طلب کریں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اُس کے اپنے گھر میں پہونچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے اپنی مغفرت کی دعا کے لئے کہو کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو چکی ہے۔ (مسند احمد)

## حج کی نیکی لوگوں کو کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا اور سلام کرنا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حج کی نیکی کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج کی نیکی لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا ہے۔ (رواہ احمد والطبرانی)۔ مسند احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج کی نیکی، کھانا کھلانا اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا ہے۔

## حج وعمرہ میں خرچ کرنا اجروثواب کا باعث:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حج میں خرچ کرنا جہاد میں خرچ کرنے کی طرح ہے، یعنی حج میں خرچ کرنے کا ثواب سات سوگنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے عمرے کا ثواب تیرے خرچ کے بقدر ہے یعنی جتنا زیادہ اس پر خرچ کیا جائے گا اتنا ہی ثواب ہوگا۔ (الحاکم)

## حج کا ترانہ لبیک:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حاجی لبیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جانب جو پتھر، درخت اور ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح زمین کی انتہا تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے (یعنی ہر چیز ساتھ میں لبیک کہتی ہے)۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

## بیت اللہ کا طواف:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کی ایک سوبیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اِس گھر (خانہ کعبہ) پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں پر۔ (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت ادا کیں گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن ماجہ)

## حجر اسود، مقام ابراہیم اور رکن یمانی:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حجر اسود اور مقام ابراہیم قیمتی پتھروں میں سے دو پتھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں پتھروں کی روشنی ختم کردی ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ دونوں پتھر مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کردیتے۔ (ابن خزیمہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حجر اسود جنت سے اترا ہوا پتھر ہے جو کہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کردیا ہے۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حجر اسود کو اللہ جل شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جن سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا اُس شخص کے حق میں جس نے اُس کا حق کے ساتھ بوسہ لیا ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان دونوں پتھروں (حجر اسود اور رکن یمانی) کو چھونا گناہوں کو مٹاتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رکن یمانی پر ستّر فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں جا کر یہ دعا پڑھے: (اللّٰہمّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیة فِی الدُّنْیا وَالْاٰخِرَۃ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیا حَسَنَة وَّفِی الْاٰخِرَۃ حَسَنَة وَّقِنَا عَذَابَ النّارِ) تو وہ سب فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (یعنی یا اللہ! اس شخص کی دعا قبول فرما) (ابن ماجہ)

## حطیم بیت اللہ کا ہی حصہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کعبہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھنا چاہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے اور فرمایا: جب تم بیت اللہ (کعبہ) کے اندر نماز پڑھنا چاہو تو یہاں (حطیم میں) کھڑے ہو کر نماز پڑھ لو۔ یہ بھی بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ تیری قوم نے بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کے وقت (حلال کمائی میسر نہ ہونے کی وجہ سے) اسے (چھت کے بغیر) تھوڑا سا تعمیر کرا دیا تھا۔ (نسائی)

## آب زمزم:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر سب سے بہتر پانی زمزم ہے جو بھوکے کے لئے کھانا اور بیمار کیلئے شفا ہے۔ (طبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمزم کا پانی (مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ) لے جایا کرتی تھیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لے جایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

## عرفہ کا دن:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کثرت سے بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، اس دن اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کے) بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اُن (حاجیوں) کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور فرشتوں سے پوچھتے ہیں (ذرا بتاؤ تو) یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ (مسلم)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: غزوۂ بدر کا دن تو مستثنیٰ ہے اسکو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، بہت راندہ پھر رہا ہو، بہت حقیر ہو رہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں پھر رہا ہو، یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ وہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا اور بندوں کے بڑے بڑے گناہوں کا معاف ہونا دیکھتا ہے۔ (مشکوۃ)

## حج یا عمرہ کے سفر میں انتقال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج کو جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے، اس کیلئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص عمرہ کیلئے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے تو اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ (ابن ماجہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام عازمین حج کے حج کو مقبول ومبرور بنائے، آمین۔ ○❖○

بقیہ: خوفناک ہے بچوں میں......

حفظانِ صحت کی مد میں خرچ ہونے والی رقم کم کی گئی ہے شاید مودی جی کے ایجنڈے میں صحت کو فوقیت حاصل نہیں ہے اسے ملک کی بدقسمتی ہی کہا جائے گا کیونکہ غذائیت کی کمی سے جوجھنے والے زیادہ تر غریب لوگ کمزور طبقات سے تعلق رکھتے ہیں جن کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ ان کے ساتھ بھید بھاؤ کی باتیں اکثر اخبارات کی سرخیوں میں ہوتی ہیں ایسی صورت میں انہیں فراموش کیا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بھاجپا کو تو ویسے بھی غریبوں و پسماندہ لوگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اس کی پالیسیوں سے ایسا ہی احساس ہوتا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ بھک مری کے خلاف آندولن کو قومی سطح پر اہمیت دی جائے اور ریپڈ سروے آن چلڈرن رپورٹ بلا کسی تاخیر کے شائع ہو۔ یونیسف کے مشوروں پر کھل کر سنجیدہ گفتگو ہو اور انہیں لاگو کرنے کیلئے سرکار حکمت عملی بنائے بچوں میں غذائیت کی کمی کو دور کرنے کیلئے مڈ ڈے میل اسکیم کا بجٹ بڑھایا جائے بچے صحت مند رہیں گے تبھی ملک صحت مند ہوگا اور آگے بڑھے گا۔

# خوفناک ہے بچوں میں غذائیت کی کمی

ڈاکٹر مظفر حسین غزالی

چھ سال سے کم عمر کے بچوں کی صحت پر بھارت سرکار اور یونائیڈ ڈینشن کی تنظیم یونیسیف نے مل کر ملک کا سروے کیا۔ یہ سروے 30 نومبر 2013ء سے مئی 2014ء کے درمیان ہوا۔ اس میں ایک لاکھ سے زیادہ خاندانوں اور 5600/ آنگن واڑی مراکز کو شامل کیا گیا تھا، اس کی رپورٹ واقعی بہت خوفناک ہے۔ شاید اسی لئے سرکار نے اسے باضابطہ طور پر تو جاری نہیں کیا۔ لیکن اس پر اٹھے سنجیدہ سوالات کے بعد وزارت بہبود برائے خواتین واطفال نے اپنی ویب سائٹ پر رپورٹ کو مختصر کر کے حال ہی میں اپ لوڈ کر دیا ہے۔ اس کی مکمل کاپی کئی لوگوں کے پاس موجود ہے۔ یہ رپورٹ بتاتی ہے کہ بھارت میں امیروں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے مگر ہمارے دیش میں غذائیت کی کمی کے شکار لوگوں کی تعداد کسی بھی دوسرے ملک کے مقابلہ کہیں زیادہ ہے۔

خاص طور پر غذائیت کی کمی کی مار سب سے زیادہ بچوں پر پڑ رہی ہے اس رپورٹ کے مطابق ملک کے 30/ فیصد بچوں پر غذائیت کی اتنی مار پڑی ہے کہ وہ عمر کے لحاظ سے کافی کم وزن والے ہیں اور ان کی لمبائی نہیں بڑھ رہی، اتنی خراب صورت افریقہ کے بھی کسی دیش کی نہیں ہے۔

29/ ریاستوں کے اعداد وشمار پر مشتمل یہ رپورٹ اکتوبر میں ہی سرکار کو سونپ دی گئی تھی۔ سرکار اسی وقت سے اسے دبا کر بیٹھی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ موجودہ وزیر اعظم برسوں تک گجرات کے وزیر اعلیٰ رہے ان کے دور حکومت میں دوسری غریب ریاستوں کے مقابلے گجرات کی حالت غذائیت کے سلسلہ میں زیادہ بدتر تھی۔ گجرات 21ویں مقام پر ہے۔ اس سے مودی کے ڈولپ گجرات مادل کی جھوٹی بنیاد کا خلاصہ ہوتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق گجرات میں قومی اوسط سے زیادہ بچے غذائیت کی کمی کے شکار ہیں یہاں 56 فیصد بچوں کو ہی معمول کے ٹیکے لگے ہیں جبکہ اس کا قومی اوسط 65 فیصد ہے۔ یہاں مدھیہ پردیش اور بہار جیسی دو پسماندہ ریاستوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدھیہ پردیش میں بھوکے بچوں کی تعداد 60 فیصد سے گھٹ کر 30 فیصد پر آ گئی اور بہار میں تعداد گھٹ کر 56 فیصد سے 37 فیصد رہ گئی اسکولوں میں دوپہر کے کھانے کا انتظام ہونے سے بچوں کی حاضری بڑھی ہے اور ان کی صحت بھی بہتر ہوئی ہے۔ آئے دن اساتذہ کے ذریعہ

گھپلا کرنے اور خراب کھانا دینے کی بات بھی سامنے آتی رہی ہے مگر پھر بھی کل ملا کر اسکولوں میں دوپہر کے کھانے کا انتظام کافی کامیاب رہا ہے یونیسیف ساؤتھ ایشیا کے غذائیت کے صلاح کار وکٹرا ایگواؤ کا ماننا ہے کہ اس سے بچوں کی صحت ان کی عمر کے لحاظ سے ان کے وزن پر کافی اچھا اثر پڑا ہے۔

مہاراشٹر کو لیں جس کی مالی حالت بہار اور مدھیہ پردیش کے مقابلہ اچھی ہے، وہاں عمر کے لحاظ سے کم وزن والے بچوں کی تعداد پچھلے کچھ برسوں میں 37 فیصد سے گھٹ کر 25 فیصد ہوگئی ہے۔ وکٹر کے مطابق مہاراشٹر نے چار اہم قدم اٹھائے (۱) بچوں کو پہلے کے مقابلے بھرپور کھانے کا انتظام کیا گیا۔ (۲) حاملہ عورتوں کا خاص طور پر دھیان رکھا گیا جس سے انہیں پورا کھانا ہی نہیں بلکہ صحت مند کھانا مل سکے۔ (۳) خاندان کی آمدنی بڑھانے کی طرف دھیان دیا جائے۔ (۴) جس عمر میں عورتیں بچوں کو جنم دیتی ہیں اس عمر کو بڑھانے کی کوشش کی جائے مہاراشٹر کے افسران اور سیاستدانوں نے اس طرف خاص طور سے آدی واسی آبادی کی طرف دھیان دیا ہے۔

رپیڈ سروے آن چلڈرن کے مطابق تمام ریاستوں میں بچوں کی حالت میں ایک جیسا سدھار نہیں ہوا ہے۔ اتر پردیش میں آدھے سے زیادہ بچوں کا قد معمول سے کم ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ 20 فیصد بچے ایسے ہیں جن کا قد نہیں بڑھ رہا ان کو ہم بونوں کے زمروں میں رکھ سکتے ہیں۔ یہاں ماؤں، لڑکیوں میں ضرورت سے کم کھانے کا چلن ہے۔ کئی گاؤں ایسے ہیں جہاں لڑکیوں کے مقابلہ لڑکوں کے کھانے پینے پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، لڑکیوں کے مقابلہ لڑکوں کی صحت، تعلیم وتربیت پر زیادہ دھیان دینے کیلئے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ لڑکیاں شادی کے بعد دوسرے گھر چلی جائیں گی جبکہ لڑکے خاندان کو چلانے کی ذمہ داری نبھائیں گے۔ 15/ سے 18/ برس کی عمر کی لڑکیاں دبلی پتلی یا کمزور ہیں جس سے آگے چل کر ان کے بچے بھی کمزور ہی ہوں گے۔

اس سروے سے یہ بات بھی اجاگر ہوتی ہے کہ پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو معمول کے ٹیکے دینے پر خاص دھیان نہیں دیا گیا ہے ساتھ ہی گھروں میں بیت الخلاء کا انتظام نہ ہونے سے لوگوں کو کھلے میں رفع حاجت کیلئے جانا پڑتا ہے جس سے بیماریوں کا خطرہ بڑھتا ہے۔ طرح طرح کے جراثیم پنپتے ہیں پچھلے کئی سالوں کے درمیان اس میں معمولی سی کمی آئی ہے پھر بھی 45 فیصد لوگ کھلے میں رفع حاجت کرتے ہیں نتیجہ کے طور پر صحت مند کھانا کھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ رپورٹ سے یہ بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ بی جے پی کی حکومت والی ریاستوں کی اس طرف کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اس میں گجرات کی مثال سامنے ہے جہاں

فی نفر آمدنی دوسری ریاستوں سے زیادہ ہونے کے باوجود ہی 5.33 فیصد بچے بھوکوں کی صف میں کھڑے ہیں۔ یہ اوسط قومی اوسط 29 فیصد سے زیادہ ہے کم وبیش اسی طرح کی مالی نوعیت رکھنے والی ریاست مہاراشٹر کی حالت گجرات سے کافی بہتر ہے بونے بچوں کا فیصد گجرات میں کئی ریاستوں کے مقابلہ کہیں زیادہ ہے اتنا ہی نہیں گجرات میں 60 فیصد لوگ کھلے میں رفع حاجت کرنے کو مجبور ہیں۔ امرتا سین کی مانیں تو مودی صوبہ میں حفظان صحت کی پالیسی کو صحیح سمت دینے میں ناکام رہے ہیں۔

ہمارے دیش میں گھریلو پیداوار کا ایک فیصد سے بھی کم حصہ حفظان صحت پر خرچ ہوتا ہے اس سال کے قومی بجٹ میں اس میں بھی تخفیف کی گئی ہے۔ چین کے مقابلہ ہمارے قومی بجٹ میں حفظان صحت کا حصہ کافی کم ہے ہمارے یہاں غذائیت کی کمی کے شکار بچوں کی تعداد 30 فیصد ہے جبکہ چین میں صرف 3 فیصد بچے کم وزن کے ہیں یعنی غذائیت کی کمی کے شکار۔ ڈاکٹروں کا ماننا ہے کہ غذائیت کی کمی والے بچے کمزور تو ہوتے ہی ہیں ان کے جسم میں بیماریوں سے لڑنے کی طاقت بھی کم ہوتی ہے جس سے ان کے بیمار ہونے کا خطرہ ہمیشہ بنا رہتا ہے ان کے دماغ کی پوری طرح نشو نما نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے اسی لئے وہ پڑھائی لکھائی میں بھی پیچھے رہتے ہیں۔ ڈائیریا اور دوسری بیماریوں سے ہونے والی بچوں کی اموات میں بلاواسطہ طور پر غذائیت کی کمی کا بھی دخل ہو ہوتا ہے۔

1990ء سے سرکاری اسکولوں میں دوپہر کے کھانے کا سلسلہ جاری ہے اسے جہاں بچوں میں غذائیت کی کمی دور ہوئی ہے وہیں اسکول میں ان کی حاضری بھی بڑھی ہے۔ تمام خامیوں کے باوجود اس سے فائدہ ہوا ہے کئی صوبوں میں بنا سوچے سمجھے وزیر اعلیٰ کھانے کے بارے میں فرمان جاری کرتے رہتے ہیں۔ مدھیہ پردیش نے فرمان جاری کیا کہ اسکولوں میں انڈوں پر پابندی لگے کیونکہ انڈوں کو نانویج کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ کھانے کی اشیاء میں ملاوٹ کی خبروں سے کون واقف نہیں ہے مگر انڈے میں یہ ملاوٹ نہیں ہوسکتی۔ اس طرح کے فرمان جاری کرنے سے پہلے بچوں کی صحت کو دھیان میں رکھنا چاہئے۔

جے رام رمیش اور کئی دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس رپورٹ کو دبانے کے پیچھے خاص وجہ گجرات میں مودی کے زمانے میں بچوں میں غذائیت کی کمی کو دور کرنے کی طرف کوئی پیش رفت کا نہ ہونا ہے۔ گجرات کے اعداد وشمار موجودہ مرکزی حکومت سے برداشت نہیں ہو رہے ہیں۔ مودی کے وزیر اعظم بننے کے بعد

بقیہ صفحہ 46 رملاحظہ ہو!

# ترکی کے بڑھتے قدم اور سال 2016

مولانا شمس تبریز قاسمی

اکیسویں صدی کے آغاز میں انتہائی برق رفتاری کے ساتھ ترقی کرنے والا ترکی ان دنوں سنگین حالات کا سامنا کررہا ہے، اندرونی اور بیرونی سازشوں کے نرغے میں پھنس گیا ہے، چوطرفہ مسائل سے دوچار ہے، معیشت کی صورت حال بگڑنے لگی ہے، ملک میں امن وسلامتی کا مسئلہ بھی ایک چیلنج کی شکل اختیار کرچکا ہے، اندورن خانہ سازشوں کا جال بچھنے لگا ہے، دہشت گردانہ حملوں کی وجہ سے سورش زدہ ملک کی فہرست میں ترکی کا شمار کیا جانے لگا، مجموعی صورت حال کا جائزہ لینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بڑھتے قدم پر اچانک کسی نے بریک لگادی ہے، مسلم دنیا کے ایک نئے صلاح الدین ایوبی کو اس کے مشن سے روکنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، ان کے راستوں میں کانٹے بچھائے جارہے ہیں اور عالم اسلام میں طلوع ہونے والی امید کی نئی کرن کو معدوم کرنے کی منظّم منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

عالمی بینک کی رپوٹ کے مطابق ترکی کے جی ڈی پی کی شرح میں گروات آگئی ہے، 2013 میں جی ڈی پی کی شرح 823 بلین ڈالر تھی جبکہ 2016 میں یہ 600 تک پر پہونچ گئی ہے، کرنسی کی قیمت بھی کم ہوگئی ہے، 2002 میں ایک ڈالر 1-67 لیرا کے برابر تھا آج ایک ڈالر 78.3 ڈالر کے مساوی ہوگیا ہے، ماہرین معاشیات کا اندازہ کا ہے ترکی کی معیشت پر قابو پانا فی الحال مشکل ہوگا۔ مسلسل ہونے والے حملے نے عالمی سطح پر ترکی کو بہت بدنام کردیا ہے اور یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ وہاں بھی امن وسلامتی کا فقدان ہے، یہی وجہ ہے کہ سال 2016 ترکی کیلئے بہت ہی خطرناک ثابت ہوا ہے، بارہ بڑے دہشت گرادانہ حملے ہوئے جس سے ملک افراتفری کا شکار ہوگیا ہے، سینکڑوں اموات ہوئی ہے، ہزاروں زخمی ہوئے ہیں، 15 جولائی 2016 میں ہونے والی ناکام فوجی بغاوت کے بعد حالات اور زیادہ مخدوش ہوگئے ہیں، پاکستان کی طرح مسلسل بم دھماکے، خودکش اٹیک اور دہشت گردانہ حملے ہورہے ہیں، ان چیزوں نے بھی ترکی کی معیشت کو بہت کمزور کیا ہے، سیاحوں کی آمد کا سلسلہ بہت کم ہوگیا ہے اور ٹورزم سیکٹر مکمل طور پر خسارے میں ہے، گوگل پر موجود ایک رپوٹ کے مطابق اپریل 2016 سے دسمبر 2016 کے درمیان ترکی میں سیاحوں کی آمد کے سلسلے میں 28 فیصد کی کمی واقع ہوئی، ترکی کی معیشت میں 6 فیصد کی شراکت سیاحت کی ہے۔ مہاجرین کی کھل کر امداد بھی ترکی کی معیشت پر

اثر انداز ہوئی ہے، اس وقت تقریباً 50 لاکھ شامی مہاجرین کو ترکی نے پناہ دے رکھی ہے جنہیں مکمل سہولیات حاصل ہے اور مہاجرین کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرائی جاتی ہیں۔ ترک مہاجرین کے گھروں میں فیرز، ٹی وی سمیت تمام چیزیں دستیاب کرائی گئی ہیں۔ انڈین ایکسپریس کی ایک تجزیاتی رپوٹ کے مطابق ترکی کے موجودہ حالات اسی طرح ہو گئے ہیں جس طرح کا حالات کا سامنا امریکہ نے نائن الیون حملہ کے بعد کیا تھا۔

ترکی کا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے جس نے انتہائی کم وقتوں میں ترقی کر کے عالمی سطح پر سپر پاور طاقتوں کا مقابلہ کیا ہے اور اس کا پورا سہرا ترکی کے موجودہ صدر رجب طیب اردگان کو جاتا ہے کیوں کہ اس سے قبل معاشی سطح پر بھی ترکی کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ وکی پیڈیا پر موجود ایک مضمون کے مطابق رجب طیب اردگان نے حکومت سنبھالی تو 2002 سے 2012 کے درمیان ترکی کے جی ڈی پی میں 64 فیصد اضافہ ہوا، انفرادی سطح پر اقتصادی ترقی کی شرح میں 43 فیصد کی بڑھوتری ہوئی۔ اردگان کے 2002 میں اقتدار سنبھالتے وقت ترکی کو بھی آئی ایم ایف نے اپنے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا اور ترکی 5۔23 بلین ڈالر کا مقروض تھا۔ اردگان نے حکومت سنبھالنے کے بعد آئی ایم ایف کی سازشوں میں نہ آنے کا فیصلہ کرتے ہوئے مزید قرضہ لینے سے انکار کر دیا اور پرانا قرضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ 2012 میں یہ قرضہ صرف 9۔0 بلین ڈالر رہ گیا تھا۔ جس کی ادائیگی کے بعد آئی ایم ایف کی جانب سے ترکی کے قرضہ ادا کر دینے کا اعلان کر دیا گیا اور اسی سال طیب اردگان نے اعلان کیا کہ اگر آئی ایم ایف کو قرضہ درکار ہو تو وہ ترکی سے رجوع کر سکتا ہے۔ 2002 میں ترکش سینٹرل بینک کے پاس زرِمبادلہ کے ذخائر 5۔26 ملین ڈالر تھے جو 2011 میں بڑھ کر 2۔92 بلین ڈالر ہو چکے تھے اور ان میں کامیاب اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسی طرح ترکی میں طیب اردگان کے حکومت سنبھالنے کے بعد صرف ایک سال میں ہی مہنگائی میں 23 فیصد کمی ہوئی جس سے ترک عوام کو براہِ راست فائدہ ہوا۔ اسی طرح 2002 میں ترکی میں ہوائی اڈوں کی تعداد میں 26 تھی جو اب بڑھ کر 50 ہو چکی ہے۔ 2002 سے 2011 کے درمیان ترکی میں 13500 کلومیٹر طویل ایکسپریس وے تعمیر کی گئی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ایکسپریس وے کی تعمیر کے ٹھیکے اپنے رشتہ داروں یا پارٹی رہنماؤں کو دینے کے بجائے کے میرٹ پر بین الاقوامی سطح پر اچھی شہرت کے حامل اداروں کو دئے گئے۔ ترکی کی تاریخ میں پہلی بار تیز ترین ریلوے ٹریک بچھایا گیا اور 2009 میں تیز ترین ٹرین ترکی میں متعارف کرائی گئی۔ عوام کو سہولیات فراہم کرنے کیلئے ان 8 سالوں کے دوران تیز رفتار ٹرین کیلئے 1076

کلومیٹر ریلوے ٹریک بچھایا گیا جب کہ 5449 کلومیٹر طویل ٹریک کی مرمت کرکے اسے تیز ترین ٹرین کے معیار کے مطابق بنایا گیا۔ اردگان نے عوام کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے شعبہ صحت میں بڑے پیمانے پر کام کیا۔ گرین کارڈ پروگرام متعارف کرایا گیا جس کے تحت غریب افراد کو صحت کی مفت سہولیات فراہمی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ صحت کی طرح تعلیم کے شعبہ پر بھی خصوصی توجہ دی گئی اور تعلیم کا بجٹ 2002 میں 5۔7 بلین لیرا سے بڑھانا شروع کیا اور 2011 میں تعلیمی بجٹ 34 بلین لیرا تک پہنچا دیا۔ قومی بجٹ کا بڑا حصہ وزارت تعلیم کو دیا گیا اور قومی جامعات کا بجٹ ڈبل کر دیا گیا۔ اسی طرح 2002 میں ترکی میں جامعات کی تعداد 86 تھیں۔ اردگان حکومت نے ملک میں جامعات کا جال بچھایا اور 2012 تک ترکی میں 186 معیاری جامعات تدریس کا عمل جاری رکھے ہوئے تھیں۔ ترکی معیشت کا اندازا صرف اس نقطہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ 1996 میں ایک ڈالر، 222 لیرا تھا جب کہ اردگان حکومت کی کامیاب اقتصادی پالیسیوں کے بعد 2015 میں ایک ڈالر 94۔2 لیرا کا ہوتا تھا۔

مختصر سی مدت میں کامیابی کی عظیم منزلی طے کرنے والے ترکی کیلئے موجودہ حالات سازگار نہیں ہیں، رجب طیب اردگان کو عالمی اور قومی سطح پر مختلف مسائل کا سامنا ہے، معیشت پر قابو پانے کے ساتھ دہشت گردانہ حملوں کو روکنا اور باغیوں پر قابو پانا سب سے بڑا چیلنج ہے، ترکی میں قیام پذیر معروف اسکالر مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کی ایک آڈیو بھی ان دنوں واٹس ایپ پر گردش کر رہی ہے جس میں وہ کہہ رہے ہیں کہ ''ترکی معیشت کی صورت حال بہت بدتر ہوگئی ہے، ترک قوم کو بے پناہ مدد کی ضرورت ہے۔ مہاجرین سے زیادہ انصار تعاون کے محتاج ہیں، حقوقِ انسانی کی کوئی بھی تنظیم وہاں کام نہیں کر رہی ہے اور نہ ہی اقوام متحدہ کا کوئی ادارہ ترکی کی مدد کر رہا ہے، طیب اردگان کو صرف پچاس فیصد عوام کا تعاون حاصل ہے، نصف آبادی اردگان اور ان کی پالیسی کے خلاف ہے''۔

طیب اردگان کا یہ جذبہ قابل رشک اور پوری مسلم قیادت کیلئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ بادِ مخالف سے گھبرائے بغیر ایک مردِ آہن کی طرح محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں، انتہائی حکمت عملی کے ساتھ حکمرانی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، دشمنوں کی چالوں پر مسلسل ان کی نگاہ ہے اور ترکی سمیت پوری ملت اسلامیہ کو ان کا کھویا ہوا قار واپس دلانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ الجزیرہ چینل کے سروے میں طیب اردگان کو 2016 کی سب سے پسندیدہ شخصیت قرار دیا جانا ان کی مقبولیت کی اور ایک دلیل ہے اور پوری دنیا کے مسلمان امید بھری نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ ❍❖❍

# حجاج بن یوسف کا آخری سفر

مہجود عالم، بھاگلپوری

عراق پر 20 / برس حکومت کرنے کے بعد 54 / برس کی عمر میں حجاج بیمار ہوا ہے، اس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگھیٹیاں بدن سے لگا کر رکھ دی جاتی تھیں پھر بھی سردی میں کمی نہیں ہوتی تھی، جب زندگی سے ناامیدی ہوگئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا: کہ مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع کرو! لوگ آئے تو اس نے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی، موت اور سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اس کی تنہائی بیان کی، دنیا اور اس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اس کی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا، پھر یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

| | |
|---|---|
| إن ذنبي وزن السماوات والأرض | میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے |
| وظني بربي أن يحابي | اپنے خالق سے امید ہے کہ رعایت کرے گا۔ |
| فلئن منّ بالرضا ف و ظني | اگر اپنی رضامندی کا احسان مجھے دے تو یہی میری امید |
| ولأن مر بال تاب عذابي | ہے، لیکن اگر وہ عدل کر کے میرے عذاب کا حکم دے۔ |
| لم ين من ذا ظلماً وبغياً | تو یہ اس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا کیا یہ ممکن ہے کہ |
| ول يضم رب يرج لحسن الثواب | وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی کی توقع کی جاتی ہے۔ |

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی شخص اپنے آنسو روک نہ سکا۔

اس کے بعد اس نے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:

**انت أرع غنم، وأحوطا حياط الناصح الشفيق برعي مولا، فجاء الأسد –قصد بالأسد مل الموت– فبطش بالراعي ومزق المرع، وقد نزل بمولا ما نزل بأيوب الصابر، وأرجو أن يون الجبار أراد بعبد غفراناً لخطايا، وتفيراً لما حمل من ذنوب.**

”امابعد! میں تمہاری بکریاں چراتا تھا، ایک خیرخواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا، اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا اور چراگاہ خراب کر ڈالی، آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب پر نازل ہوئی تھی، مجھے امید ہے کہ جبار وقہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخش اور گناہ دھونا چاہتے ہیں۔“

# نمک چھڑکنے والا بیان!

نازیہ مصطفیٰ

طلوع اسلام کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں 20 راگست 636ء کو عرب فاتحین نے فلسطین کو فتح کر لیا۔ اس وقت ہیکل سلیمانی کا پورا علاقہ کھنڈر بنا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس علاقے کو صاف کروایا اور اس کے جنوبی حصے میں ایک جگہ نماز پڑھنے کیلئے مخصوص فرمائی، یہی آج کی ''مسجد اقصیٰ'' ہے۔ اس کے بعد 463ء سال تک یہاں عربی زبان اور اسلام کا دور دورہ رہا۔ گیارہویں صدی کے بعد یہ علاقہ غیر عرب سلجوق، مملوک اور عثمانی سلطنتوں کا حصہ رہا۔ 1189ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو فتح کیا اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی تاہم اس سارے عرصہ کے دوران یہودی یہاں اقلیت کی حیثیت سے موجود رہے۔ چار صدیوں تک ترک عثمانیوں کی حکمرانی کے بعد ٹھیک ایک سو سال پہلے 1917ء میں برطانیہ نے اس خطے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اعلان بالفور کے ذریعہ یہودیوں کیلئے ایک قومی ریاست کے قیام کا وعدہ کر دیا گیا۔ فلسطین کی جانب یہودیوں کی نقل مکانی اگرچہ 17 ویں صدی کے اواخر میں ہی شروع ہوگئی تھی، تاہم 1930ء تک نازی جرمنوں سے تنگ آ کر اس نقل مکانی میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ 1920ء، 1921ء، 1929ء اور 1936ء میں عربوں کی طرف سے یہودیوں کی نقل مکانی اور اس علاقے میں آمد کے خلاف پرتشدد مظاہرے ہوئے لیکن اس کے باوجود یہودیوں کی نقل مکانی کا سلسلہ جاری رہا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی سے بھاگ کر اسرائیل آنے والے یہودیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا کیونکہ ایک اندازے کے مطابق ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا تھا اور باقی جان بچا کر فلسطین بھاگ آئے۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت فلسطین میں سات لاکھ اٹھاون ہزار یہودی بس گئے تھے۔ جب برطانیہ نے دیکھا کہ اب وہاں ایک یہودی وطن بن سکتا ہے تو اس نے اس پورے علاقے کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا۔ اس وقت صورت حال یہ بنی کہ امریکہ اور روس سمیت تمام طاقت ور ممالک اسرائیل کے حامی تھے۔ چنانچہ نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ نے ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔

اسرائیل کو کل رقبے کا 56 فیصد رقبہ دیا گیا، حالانکہ یہودیوں کی آبادی اس وقت کل آبادی کا ایک تہائی تھی اور فلسطینی ریاست کو چوالیس 44 فیصد دیا گیا حالانہ کہ فلسطینیوں کی آبادی دو تہائی تھی۔ یہ تقسیم صریحاً ایک ناجائز تقسیم تھی۔ چنانچہ فلسطینیوں اور ارد گرد کے عرب ممالک نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ برطانیہ نے اس علاقے سے 1948ء میں اپنی فوج واپس بلالی تھی اور 14 رمئی 1948ء کو اسرائیل کی ''آزاد حکومت'' کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ فلسطینیوں کی زمین پر غاصبانہ قبضے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے ساتھ ہی فلسطینی ریاست بھی قائم کر دی جاتی لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ عربوں نے تقسیم کو نامنظور کر دیا، جس کے بعد مصر، اردن، شام، لبنان، عراق اور سعودی عرب نے نئی اسرائیلی ریاست پر حملہ کر دیا۔ لیکن باہمی خلفشار اور کمزوریوں کے سبب اسرائیل مخالف یہ اتحاد اس حملے میں نہ صرف اسرائیل کو ختم کرنے میں ناکام رہا بلکہ الٹا یہودی ریاست کے رقبے میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اسرائیل کے قیام کے بعد عرب ممالک اور اسرائیل میں متعدد جنگیں بھی ہوئیں، لیکن مغربی ممالک کی مکمل پشت پناہی اور جدید اسلحے سے لیس ہونے کی وجہ سے عرب ممالک کو اسرائیل سے شکست ہی کھانا پڑی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب ممالک فلسطینیوں کی حمایت سے دست کش ہونے لگے اور فلسطین کو ایک الگ ریاست کی بجائے ایک میونسپل کارپوریشن نما 'اتھارٹی' پر اکتفا کرنا پڑا۔ جہاں سب کچھ اب بھی اسرائیل کے ہاتھ میں ہے۔ اسرائیل نے فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیاں قائم کرنا شروع کیں تو اس پر بہت شور اٹھا لیکن اسرائیل اپنے قیام سے لیکر آج تک اس ناجائز کام سے باز نہ آیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسرائیل مکمل بدمعاشی پر اترا ہوا تھا، ایک جانب اسے مغرب اور امریکہ کی حمایت حاصل تھی اور دوسری جانب وہ اپنے دشمنوں کو تنہا کر کے مار رہا تھا اور اب تو معاملہ اس قدر کھلی بدمعاشی پر آ گیا تھا کہ کئی دہائیوں سے اسرائیل کے ہر گناہ پر پردہ ڈالنے والے بھی اکتا گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کی ناجائز بستیوں کے خلاف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں قرارداد پیش کی گئی تو اسلامی کونسل کے 15 رکن ممالک میں سے 14 نے اس قرارداد کی حمایت میں ووٹ ڈالے جبکہ امریکہ نے ووٹ ڈالنے سے انکار کر دیا، تاہم امریکہ نے اس موقع پر قرارداد کے خلاف ویٹو کا حق بھی استعمال نہیں کیا۔

ماضی میں امریکہ نے ایسی قراردادوں کو ویٹو کر کے اسرائیل کی ہمیشہ مدد کی، لیکن اوبامہ انتظامیہ نے

روایتی اسرائیلی پالیسی چھوڑ کر اس مرتبہ اس قرارداد کو منظور ہونے دیا، یہی وجہ ہے کہ قرارداد کی منظوری کے بعد اسرائیل نے امریکہ پر الزام لگا دیا کہ واشنگٹن نے اس قراداد کی حمایت کی۔ یہ قرارداد مصر کی جانب سے پیش کی گئی تھی لیکن امریکی نومنتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی مداخلت کے بغیر مصر نے اسے موخر کر دیا تھا۔ اس کے بعد سلامتی کونسل کے دیگر ممالک نیوزی لینڈ، سینی گال، وینزویلا، اور ملائیشیا نے اس قرارداد کو دوبارہ پیش کیا اور اسے منظور کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس قرارداد کے بعد اسرائیل اور امریکہ کے تعلقات میں کشیدگی بڑھ گئی اور تل ابیب میں امریکی سفیر کو طلب کر کے سرزنش کی گئی۔ دوسری جانب اسرائیل میں بیت المقدس کی میونسپل کارپوریشن کو بھی اسرائیلیوں کیلئے مشرقی یروشلم میں 500 کے قریب نئے گھروں کی تعمیر کے حوالے سے ووٹنگ منسوخ کرنا پڑی۔

قارئین کرام!! اسرائیل کی طرف سے ایک دھمکی لگائے جانے پر امریکی وزیر خارجہ جان کیری کو ایک پریس کانفرنس میں باقائدہ وضاحت کرنا پڑی۔ جان کیری نے سلامتی کونسل میں اسرائیل کے خلاف منظور کی جانے والی حالیہ قرارداد پر ہونے والی رائے شماری میں امریکی عدم شرکت کا دفاع کرتے ہوئے اس اقدام کو امریکی اقدار کے عین مطابق تو قرار دیا ہے لیکن دوسری جانب نومنتخب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اسرائیل کو اپنے عہدے کا حلف سنبھالنے تک حوصلہ بلند رکھنے کا پیغام دیتے ہوئے کیا ہے کہ وہ کسی کو بھی اسرائیل کے ساتھ حقارت آمیز رویہ اختیار کرنے نہیں دیں گے۔ امریکہ کے نومنتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اسرائیل کے حق میں بیان دے کر اپنے عزائم کا اظہار کیا ہے، کاش انہیں فلسطین سے کشمیر تک مظلوم مسلمانوں کے دکھوں کا بھی اسی طرح احساس ہوتا تو مظلوم اقوام کے دلوں کے پھپھولے جلانے سے پہلے سو مرتبہ سوچتے اور اسرائیل کی حمایت کرتے نہ ہی زخموں پر نمک چھڑکنے والا بیان دیتے!

❍❖❍

ہم میں سے جو لوگ بھی ملت کے مفاد میں کام کر رہے ہیں، وہ سب قابل قدر ہیں، اگر کسی سے کوئی کوتائی ہو جائے تو اسے سرِ عام بیان کرنے کے بجائے نرمی، اور دلی ہمدردی کے ساتھ اس کی رہنمائی کر سکتے ہیں، اور ہمارا ظرف اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ اگر کوئی ہماری غلطی پر متوجہ کرے تو اس کا احساس ہو اور اصلاح کی فکر کی جائے۔..........................ایم پی مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

# شام میں جنگ کا مقصد ایران کا تحفظ ہے؟

عبدالرحمٰن الراشد

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ شام میں جاری جنگ میں مارے جانے والے ایرانی فوجی اگر وہاں کام نہ آتے تو وہ تہران، فارس، خراسان اور اصفہان میں امریکی اور صہیونی ایجنٹوں سیلڑ رہے ہوتے۔ ہمارے خیال میں خامنہ ای نے اپنے عوام اور شام میں ہلاک ہونے والے فوجیوں کے خاندانوں کے سامنے جو کچھ کہا ہے، وہ محض ایران کے جانی نقصان کو جائز ثابت کرنے کیلئے ہے۔ ان کا بیان شاید سیدھا اور گہری اہمیت کا حامل ہو۔ یعنی ایران کے اندر نظام کو درپیش خطرے کا واویلا کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس نظام کو بچانے کیلئے جنگ کو سرحدوں سے باہر منتقل کر دیا گیا ہے۔

ایران کی قیادت اپنی سرحدوں سے باہر جنگوں کو جائز ثابت کرنے کیلئے بیانات جاری کرتی رہتی ہے تاکہ ان ناقدین کو خاموش کرایا جاسکے جو غیر ضروری جنگوں میں فوجیوں کی شرکت کی مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان جنگوں سے تہران کے توسیع پسندانہ ذہنیت کے حامل اور بالادستی کے خواہاں مذہبی اور فوجی قائدین کے ضمیر ہی کو مطمئن کیا جاسکتا ہے۔ جنگ جتنا طول پکڑے گی، اس تناسب سے جانی نقصانات میں بھی اضافہ ہوگا۔ اس پر سوال اٹھائے جائیں گے اور قیادت کے فیصلوں کی مذمت کی جائے گی۔ امریکا اور صہیونیوں سے لڑنے کی منطق تیس سال کے بعد اب بے معنی ہو چکی ہے اور اس کا کوئی جواز نہیں رہا ہے کیونکہ اس کی حیثیت تو اقتدار پر قابض رہنے کیلئے ایک نعرے کی تھی۔

مابعد انقلاب عشروں کے دوران میں ایران کی قیادت دہشت گردی کیلئے حمایت کو جائز ثابت کرتی رہی تھی۔ اس نے علاقائی اور عالمی سطح پر تشدد کی آبیاری کی۔ اپنے ہمسایوں کو ڈرایا دھمکایا، جوہری پروگرام کو ترقی دی اور اپنے طور پر جنگوں کی تیاری کی۔ اس کا واحد ریاستی منصوبہ اور نظریہ اپنے دفاع کے جواز پر مبنی تھا اور یہ کہ اس کو عالمی مغربی صہیونی رجیم کی جانب سے چڑھائی کا خطرہ ہے۔ مغرب کے ساتھ جوہری معاہدے پر دستخط اور مغرب کے ساتھ مصالحت کے بعد جنگ کے خطرے کے واویلے کا اب کوئی جواز نہیں رہا ہے۔ اس جوہری معاہدے کے بعد ایران نے زیادہ کھلے پن اور پُرامن حکمت عملی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے بیرون ملک فوجی مہم جوئیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔

## جنگ اور ایران کی ضروریات

ایرانی نظام نے 1980ء کے عشرے میں صدام حسین کے دور حکومت میں عراق کے ساتھ جنگ کے وقت

معاشرے کو فوجی بنانے کا تصور اختیار کیا تھا۔ ایران کے مرحوم سپریم لیڈر آیت اللہ خمینی نے اس جنگ کے خاتمے کیلئے کچھ نہیں کیا تھا اور یہ آٹھ سال تک جاری رہی تھی۔ اس جنگ کا ایرانی نظام نے اندرون ملک اپنے مخالفین کو ٹھکانے لگانے کیلئے خوب فائدہ اٹھایا تھا اور سابق شاہ کے حامیوں اور رجیم مخالف شخصیات کا قلع قمع کر دیا گیا تھا۔

آج ایرانی نظام کو مزید جنگوں میں الجھنے کی کیوں ضرورت ہے؟ بالخصوص اس صورت میں بھی جب اس نے پہلے ہی اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ ایران مختلف قوتوں پر مشتمل ایک بڑا ملک ہے اور یہ ضروری نہیں کہ یہ قوتیں باہم برسر پیکار ہوں لیکن وہ دانشورانہ اور سماجی سطحوں پر نظام کے خلاف ہیں اور مذہبی اور سکیورٹی کی سطح پر ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں جس سے تنازعے کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

داخلی سطح پر کنٹرول کیلئے غیر ملکی جنگوں میں الجھنا ان نظاموں کا ایک پرانا حربہ ہے جو اپنی داخلی صورت حال کو کنٹرول میں رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ ایران اگرچہ قومی سطح پر ایک کمزور ملک ہے مگر اس کے بیشتر عسکری اور سکیورٹی ادارے، سپاہ پاسداران انقلاب، باسیج ملیشیا، فوج اور انٹیلی جنس سروسز بہت امیر اور مضبوط ہیں۔ ایران کے پاس جدید صنعتیں ہیں اور اس کی اپنی بڑی کمپنیاں ہیں۔ ان میں تیل کمپنیاں، تیل صاف کرنے کے کارخانے، درآمدات اور برآمدات کی کمپنیاں، ہوٹل اور دوسرے ادارے ہیں۔

ایران کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ بیرون ملک غیر قانونی جنگیں مسلط کر رہا ہے اور اس کے لیڈر اس مسئلے سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ مثال کے طور پر پڑوسی ملک عراق میں جب ایک جنگ ختم ہوتی ہے تو وہ ایک نئی جنگ کو چھیڑ دیتے ہیں۔ شام میں اگر ایران نے اسد رجیم کیلئے کوئی کامیابیاں حاصل کی ہیں تو وہ ان سے کوئی مضبوط نہیں ہوا ہے اور جونہی ایران کے فوجیوں اور ملیشیاؤں کا جنگ زدہ ملک سے انخلا ہوا تو اسد رجیم کا دھڑن تختہ ہو جائے گا۔ ایران نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے تحت یمن، افغانستان اور لبنان میں اپنی عسکری موجودگی برقرار رکھی ہوئی ہے۔ تہران کی قیادت گومگو کی کیفیت سے دوچار ہے۔ وہ تنازعات والے مقامات میں سیاسی حل کو قبول کرنے سے انکاری ہے کیونکہ اس نے خود کو ان جنگوں میں الجھا رکھا ہے، نتیجتاً ان ممالک میں یہ جنگیں کئی سال تک جاری رہ سکتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایرانی مزید کتنا عرصہ اپنے نقصانات کو برداشت کرتے رہیں گے اور بیرون ملک جنگی مہموں کو جاری رکھیں گے؟ شاید اس کا انحصار سکیورٹی سروسز کے موثر ہونے، قوت اور سڑکوں پر صورت حال پر قابو پانے کی صلاحیت پر ہے لیکن جہاں تک تقریروں اور پروپیگنڈے کا تعلق ہے تو وہ بہت جلد اپنی اہمیت کھو دے گا۔

ایران نے ابتدا میں عراق اور شام میں مذہبی اور فرقہ وارانہ جذبات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ وہاں مزاروں کا دفاع کر رہا ہے لیکن برسر زمین حقیقت تو یہ تھی کہ بیشتر جنگیں تو ان مقدس مزارات کی جگہوں پر ہو ہی نہیں رہی تھیں۔ اب وہ یہ جواز پیش کر رہے ہیں کہ حلب کے دور دراز علاقے میں جنگ ایران کی داخلی سلامتی کے تحفظ کیلئے ہے۔

گوشۂ خواتین:

# پردہ کے احکام اور مسائل

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ

## عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عنْ قَالَ الْمَرْأَةُ عَورَةٌ فَانَّهَااِذَاخَرجَتْ مِنْ بَيتِهَا اسْتَشْرَفَهَاالشَّيْطٰنُ وَاِنَّهَا لَاتَكُونُ اَقْرَبَ اِلَى اللّٰهِ مِنْهَافِي قَعْرِ بَيْتِهَا. (الطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں: کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اُسے شیطان تکنے لگتا ہے، اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اُس وقت سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔

**تشریح:** اس حدیث میں اول تو عورت کا مقام بتایا ہے، یعنی یہ کہ وہ چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، عورت کو بحیثیت عورت کے اندر رہنا لازم ہے، جو عورت پردہ سے باہر پھرنے لگے وہ حدودِ نسوانیت سے باہر ہوگئی۔

اس کے بعد فرمایا: کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظریں اُٹھا اُٹھا کرتا کنا شروع کر دیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب عورت باہر نکلے گی تو شیطان کی یہ کوشش ہوگی کہ لوگ اس کے خدوخال اور حسن و جمال اور لباس و پوشاک پر نظر ڈال ڈال کر لطف اندوز ہوں۔

اس کے بعد فرمایا: کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے، جن عورتوں کو اللہ کی نزدیکی کی طلب اور رغبت ہے وہ گھر کے ہی اندر رہنے کو پسند کرتی ہیں، اور حتی الامکان گھر سے باہر نکلنے سے گریز کرتی ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو ہدایت دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے اندر ہی رہیں، کسی مجبوری سے باہر نکلنے کی جو اجازت دی گئی ہے اس میں متعدد پابندیاں لگائی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اور یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ عورت راستہ کے درمیان نہ چلے، اگر اسے باہر جانا ہی پڑے تو پورے بدن پر موٹی چادر لپیٹ کر نکلے (راستہ نظر آنے کیلئے ایک آنکھ کا کھلا رہنا کافی ہے)۔

نیز فرمایا: کہ مرد کی نظر کسی نامحرم عورت پر یا عورت کی نظر کسی نامحرم مرد پر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹالے،

اگرعورت کوکسی نامحرم مرد سے بدرجۂ مجبوری بات کرنی پڑے تو نرم گفتاری سے بات نہ کرے،اور یہ بھی ارشادفرمایاہے: کہ عورت بغیرمحرم کے سفرنہ کرے،محرم بھی وہ ہوجس پربھروسہ ہو،فاسق محرم جس پراطمینان نہ ہواس کے ساتھ سفرکرنادرست نہیں ہے،اسی طرح شوہر یامحرم کے علاوہ کسی نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی میں رہنے یارات گذارنے کی بالکل اجازت نہیں ہے،اورمحرم بھی وہ ہوبھی جس پراطمینان ہو۔یہ سب احکام درحقیقت عفت وعصمت محفوظ رکھنے کیلئے دیئے گئے ہیں۔

**مخلوط تعلیم کازھر**: آج کل لڑکیوں کواسکولوں،کالجوں میں پڑھانے کیلئے بھیجتے ہیں، ان کواونچی ڈگریاں دلانے کی کوشش کرتے ہیں،اول تواس میں اُس حکم کی خلاف وزری ہے کہ عورت اپنے گھر میں رہے،اگر باہرنکلنا ہوتو بدرجہ مجبوری پابندیوں کے ساتھ نکل سکتی ہے،مگروہ توپردہ کے اہتمام کے بغیرنکلتی ہیں اورخوب بن ٹھن کرخوشبولگا کرجاتی ہیں،پھرر ہی سہی کسرمخلوط تعلیم نے پوری کردی،ایک ہی کلاس میں لڑکے اورلڑکیاں اور بالغ مرداورعورت بے پردہ ہوکربیٹھتے ہیں اورعجیب بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے والے عین تعلیم کے وقت اسلامی احکام کو پامال کرتے جاتے ہیں اورجولوگ ان باتوں پرنکیر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ غیرشرعی طریقہ ہے وہ کیسی ہی آیات واحادیث پیش کریں،اُن کی بات کودقیانوسی کہہ کرٹال دیتے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کوسمجھ دےاوردین کے صحیح تقاضے کوسمجھنے کی توفیق عطافرمائے۔

**اسلام عفت وعصمت والادین ھے**: اسلام حیاوشرم،عفت وعصمت،غیرت وحمیت والادین ہے۔ اس نے انسانیت کواونچامقام دیاہے،انسان اورحیوان میں جوامتیازی فرق ہے وہ اسلام کے احکام پڑھنے سے واضح ہوجاتاہے۔اسلام یہ ہرگز گوارانہیں کرتا کہ انسانوں میں حیوانیت آجائے اور چوپایوں کی طرح زندگی گذاریں۔مردوں اورعورتوں کے اندرجوایک دوسرے کی طرف مائل ہونے کافطری تقاضاہےشریعتِ اسلامیہ نے ان کی حدودمقررفرمائی ہیں۔حقوق نفس اورحظوظ نفس سب کاخیال رکھاہے،لیکن انسان کوشتر بے مہارکی طرح نہیں چھوڑا،کہ جوچاہے کھائے ،جوچاہے پہنے ،جہاں چاہے نظرڈالے،اورجس سے چاہے لذت حاصل کرے،بہت سے لوگ جو نام نہادمسلمان ہیں، (اگرچہ علوم عصریہ میں ماہر ہیں اوردنیاوی معاملات سےاچھی طرح واقف ہیں )یورپ وامریکہ کے یہودونصاریٰ،بددین ملحدوں اورزندیقوں کی دیکھا دیکھی بلکہ ان کی ترغیب وتحریرسے متاثرہوکرمسلمانوں کوبھی بہیمیت کے سیلاب میں بہادیناچاہتے ہیں۔ جب ان لوگوں کے سامنے پردہ کے احکام ومسائل پیش کئے جاتے ہیں توقرآن وحدیث کے واضح دلائل

سامنے ہوتے ہوئے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب باتیں مولویوں نے نکالی ہیں۔عورتوں کو کلبوں میں نچوانے کو یہ لوگ ترقی سے تعبیر کرتے ہیں۔

**کونسی ترقی محمود ہے؟** عورت صنف نازک تو ہے ہی، کم سمجھ بھی ہے، جب ان کو بہکایا جاتا ہے کہ پردہ ترقی کیلئے آڑ ہے اور ملا کی ایجاد ہے، تو یہ اپنی نادانی سے اس بات کو باور کر لیتی ہیں اور میلوں اور جلسوں اور پارکوں، بازاروں اور تفریح گاہوں میں پردہ شکن ہو کر بے محابا مردوں کے سامنے گھومتی پھرتی ہیں اور بے حیائی اور عفت وعصمت کے داغدار کرنے والے عمل کو ترقی سمجھتی ہیں۔دشمنان اسلام نے بس ترقی کا لفظ یاد کر لیا ہے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کس چیز کی ترقی محمود ہے، اور کونسی ترقی مذموم ہے؟ اگر قوم کی بہو بیٹیاں بے پردہ ہو کر گھروں سے نکلیں اور بازاروں، پارکوں میں مردوں کے ساتھ مل جل کر گھومتی پھریں تو اس میں کس چیز کی ترقی ہے؟ کیا اس میں انسانیت بامِ ترقی تک پہنچ گئی؟ یا غیرت اور شرافت میں کچھ اضافہ ہو گیا؟ نہیں نہیں، اس سے تو عصمت وعفت کے لٹ جانے کی راہیں ہموار ہو گئیں، انسان کی شرافت اور کرامت برباد ہونے کے انتظامات ہو گئے۔برائی کی ترقی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اور مخلصین مومنین ومومنات کو پسند نہیں ہوتی۔

**حفاظتِ نظر کا حکم:** سب سے بڑی چیز جو ایک مرد کو عورت کی طرف یا عورت کو مرد کی طرف مائل کرنے والی ہے وہ نظر ہے۔ قرآن مجید میں دونوں فریقوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں۔سورہ نور میں اول مردوں کو حکم فرمایا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢبِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥(النور:)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بیشک اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد عورتوں کو خطاب فرمایا:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ٥(النور:)

اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔

ان آیتوں میں مردوں، عورتوں دونوں کو نظریں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کے محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ پردہ کے مخالفین دیدہ ودانستہ یا نادانستہ طور پر ان آیات کے مفہوم کے جاننے سے گریز کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نظریں نیچی رکھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ درخت، پتھر، دیواروں اور گھروں کے سامان کی طرف دیکھنا منع ہے، بلکہ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ نظر کو بے جا استعمال کرنے سے شرمگاہوں کی حفاظت خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اسی لئے تو اس کے ساتھ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا۔ نفس اور نظر کی لذت کیلئے شوہر کو بیوی کیلئے، بیوی کو شوہر کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ محرم مرد اور عورت کو ایک دوسرے کو حدود کے اندر سے دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کو بھی ایک دوسرے پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، محرموں کو بھی بدن کا ہر حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر اچانک (نامحرم پر) نظر پڑ جائے تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی وقت نظر پھیر لو۔ (مسلم شریف)

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالے رکھو! کیونکہ پہلی نظر پر تجھے گناہ نہ ہوگا (اس لئے کہ وہ بلا اختیار تھی) اور دوسری نظر تیرے لئے حلال نہیں ہے (اس پر پکڑ ہوگی، کیونکہ وہ اختیار سے ہے)۔ (مشکوۃ شریف)

مطلب یہ ہے کہ اگر بلا اختیار کسی نامحرم پر نظر پڑ گئی تو فوراً ہٹا لو، اگر نظر نہ ہٹائی اور دیکھتے رہے تو یہ دو نظریں شمار ہونگی اور دوسری نظر اختیار والی نظر ہوگی جس پر گرفت اور مواخذہ ہونا ظاہر ہے۔ بے پردگی میں بدنظری کے بہت سے مظاہرے ہوتے ہیں، مرد اور عورت سب اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نظریں محفوظ ہونگی تو شرمگاہیں بھی محفوظ ہونگی اور خود بُری نظر کو بھی تو زنا قرار دیا ہے۔

بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ آیت شریفہ میں جو ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' ہے اس میں چہرہ اور ہاتھوں کا استثناء ہے، یعنی عورتیں اس کو کھول سکتی ہیں۔ ان لوگوں کو پتہ نہیں آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کیا کیا اقوال ہیں۔

**''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر:** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اس سے ثیاب اور جلباب یعنی اوپر کے وہ کپڑے مراد ہیں جو پردہ کے اہتمام کیلئے جسم سے لگے ہوئے کپڑوں کے اوپر ہوتے ہیں۔

صاحبِ تفسیر مظہری بیضاوی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ یہ استثناء حالتِ نماز کے متعلق ہے، یعنی حالتِ نماز میں چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹوں تک اگر کھلے رہیں تو نماز ہو جائیگی، اور نماز میں ان دونوں اعضاء کے کھلا

رہنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور غیر محرم کے سامنے مواقع زینت میں سے کوئی حصہ کھولنے کا ذکر ''مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' میں نہیں ہے۔ پھر صاحبِ تفسیر مظہری لکھتے ہیں: کہ اگر ''مَاظَهَرَ مِنْهَا'' سے مواقع زینت مراد ہوں تو ضرورۃً مجبوری کیلئے اظہار زینت کے ارادہ کے بغیر جو حصہ ظاہر ہوجائے اس کا استثناء کیا گیا ہے، پھر لکھتے ہیں: کہ آزاد عورت کے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے پوشیدہ رکھنے کا استثناء صرف نماز کیلئے ہے، کیونکہ فرمانِ خداوندی: ''يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ'' سے ظاہر ہے کہ عورت اپنا چہرہ نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ''مَاظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: کہ ''اَلْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ'' یعنی عورت اپنا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کھولے رہ سکتی ہے۔ اگر اسی تفسیر کو مانا جائے تب بھی غیر محرم کے سامنے کھولنے کا کوئی ذکر نہیں۔ جو لوگ اس استثناء سے عورتوں کیلئے عام طور پر چہرہ کھولے ہوئے پھرنے کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت غلطی پر ہیں، کیونکہ ان الفاظ میں عورتوں کو چہرہ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے، تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح اُن کے چھپانے کے اہتمام سے زحمت اور تکلیف نہ ہو، اس میں نامحرموں کے سامنے کھولنے کے جواز وعدم جواز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آیت میں ''مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' فرمایا ہے، ''اِلَّا مَا اَظْهَرْنَ'' نہیں فرمایا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو قصداً اور ارادۃً نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

فعل لازم کا صیغہ اِس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی عورت نماز کی مشغولیت میں یا کام کاج کی مصروفیات یا اور کسی مجبوری کے باعث اپنا چہرہ کھولے تو غیر محرم کو جائز نہیں کہ وہ اس کے چہرہ کو تکتا رہے، کیونکہ اس سے پہلی ہی آیت میں مردوں کو نظریں پست کرنے کی تاکید فرمادی گئی ہے، بعد میں عورتوں کے متعلق احکام ذکر کئے ہیں۔ مردوں کو نظریں پست رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے جہاں بازاروں اور راستوں میں عورتوں پر نظریں ڈالنے کی ممانعت ثابت ہوئی، وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتیں اگر منہ کھولے ہوئے کام کاج میں مشغول ہوں یا پردہ کرنے سے گریز کرتی ہوں تو جو مرد اُن کے محرم نہ ہوں ان کو قصداً وارادۃً نظر ڈالنا منع ہے۔

سورۂ نور کی آیت بالا کی ہم نے مزید تشریح وتوضیح اس لئے کی ہے کہ قرآن سے پردہ اور احکام پردہ کا ثبوت مانگنے والوں کو اپنی کج روی کا علم ہوجائے، آیت بالا میں اول ''غَضُّ بَصَرٍ'' (آنکھیں نیچی کرنے) کا حکم دیا ہے، پھر عورتوں کو مامور فرمایا ہے کہ زینت اور مواقع زینت کو پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کریں۔ یہ بات کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہیں اور نامحرم ان کو دیکھا کریں، آیت سے ثابت کرنا سخت نادانی ہے۔

# شب وروز جامعہ

## جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں پرچم کشائی، جوش وخروش سے گنگنایا ''سارے جہاں سے اچھا''

یوم جمہوریہ کے موقع پر جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، صدر جمعیۃ علماء بہار کے ہاتھوں پرچم کشائی ہوئی، جامعہ مدنیہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم صاحب، صدرالمدرسین جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب ودیگر اساتذہ جامعہ کے ساتھ تمام طلبہ شریک رہے، اورنہایت جوش وخروش سے یوم جموریہ منا کر جمہوریت کی یاد تازہ کیا، اس موقع پر ایک تقریب بھی منعقد کی گئی جس میں طلبہ نے اردو، عربی تقریں پیش کیں، اورانگریزی، اردوزبان میں مکالمہ پیش کرکے سامعین کو حیرت زدہ کردیا، طلبہ نے اپنی تقریروں، مکالموں کے ذریعہ نہایت ہی اچھے انداز میں مجاہدین آزادی کوخراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بتایا: اس ملک کیلئے مسلمانوں، بالخصوص علماء کرام نے بڑی قربانیاں پیش کی ہیں، مکمل دوسوسال کی جدوجہد کے بعد اس ملک کوآزادی نصیب ہوئی، آزادی کے تین سال کے بعد اس ملک کا دستور بنا، اور ۲۶/جنوری ۱۹۵۰ء میں اس ملک کو جمہوری قرار دیا گیا، تنظیم کٹیہاری اور امجدارریاوی نے ترانہ پیش کیا، اور **''سارے جہاں سے، اچھا ہندوستان ہمارا''** کی آواز فضا میں گونج اٹھی، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی اور جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے اس موقع پر اہم خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا: ہندوستان کے تاریخی اوراق مسلمانوں کی قربانیوں سے بھرے پڑے ہیں، مسلمانوں نے اس دور میں بھی اہم فریضہ انجام دیا، جب ان کی حکومت تھی اوراس وقت بھی جب یہ ملک ان کے قبضہ سے چھین لی گئی، انہوں نے کہا: اس ملک کی آزادی کیلئے سب سے زیادہ جدوجہد ہمارے علماء کرام نے ہی کی تھی، اورانہیں کی قربانیوں کے نتیجہ میں اس ملک کو جمہوری قرار دیا گیا، انہوں نے شیخ الہند مولانا محمودالحسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریک ریشمی رومال کا بھی تذکرہ کیا، انہوں نے کہا جمعیۃ علماء ہند ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے، اس کے بینر تلے علماء کرام کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں، جمعیۃ علماء ہند نے ہی مکمل پلاننگ کے ساتھ آزادی کا نقشہ مرتب کیا اور مسلمانوں کے ساتھ ہندوں کو اپنے ساتھ شامل کیا، انہوں نے کہا: جمہوریت ہماری سب سے بڑی طاقت ہے، اورزمینی سطح پر اس کا نفاذ بھی ضروری ہے، تبھی ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب برقرار رہ سکتی ہے۔ اس موقع پر جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے بھی اظہار خیال فرمایا۔ اور پھر بچوں کے درمیان جلیبی تقسیم کی گئی۔

# دفتر جمعیۃ علماء بہار میں پرچم کشائی، دیگر برادران وطن کی بھی شرکت

یوم جمہوریہ کے موقع پر جمعیۃ علماء بہار کے صوبائی دفتر مجیب پورفتوحہ پٹنہ میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار کے دست مبارک سے پرچم کشائی ہوئی، اس موقع پر محلّہ کے مسلم اور غیر مسلم کی ایک معتد بہ تعداد موجود تھی، جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے پرچم کشائی کے بعد خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں مذہب کا احترام اور احساس وطنیت بہت زیادہ تھا اور باہمی رَواداری نے اقوام ہند کو ایک قوم بنا رکھا تھا، لیکن جب سے انگریزوں نے اس ہندوستان پر اپنا قبضہ جمایا تو اپنے اصول ''تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو'' کو اپناتے ہوئے ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کرکے ہندوستانیوں کے ذہنوں کو برباد کرنے کی کوشش کی، اور اس بات کی کوشش کی تھی کہ ہندوستانیوں کی تعلیم کو ختم کرکے ان کے فکر وتدبر کے سرچشموں کو خشک کردیا جائے اور ایک دوسرے سے اتنا خائف کردیا جائے کہ وہ انگریز کے وجود ہی کو اپنی سلامتی تصور کریں اور ابد الآباد کیلئے ان کی قسمت پر غلامی کی مہر لگ جائے، لیکن قربان جایئے اپنے اسلاف اور اکابر علماء پر کہ انہوں نے انگریزوں کے ناپاک ارادوں کو بروقت سمجھا اور ردعمل ظاہر کرتے ہوئے انگریزوں کو ملک بدر کرنے اور ہندوستانیوں کو انگریزوں سے پاک کرانے کی جدوجہد شروع کی اور تمام باشندگان ہند کو اس کام کیلئے آمادہ کیا، چنانچہ ہمارے علماء کرام کے نقش قدم پر چل کر تمام باشندگان ہند نے جدوجہد کرکے ہندوستانیوں کو آزاد کرالیا اور اس ملک کو ایک جمہوری ملک قرار دیکر ایک جامع قانون بنایا اور اس کا نفاذ 26/جنوری 1950ء میں عمل میں لایا۔

جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم صاحب نے موجود سامعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اس ہندوستان پر برسہا برس تک مسلمانوں نے حکومت کی ہے، ان حضرات کا مطمح نظر یہ تھا کہ ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے، ان کے ساتھ عدل وانصاف قائم کرکے ہی حکومت قائم کی جاسکتی ہے، مولانا نے بتایا: کہ ہمارے اسلاف نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے برطانیہ حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ مسلمان ہندوستان میں پوری مذہبی آزادی اور پوری تہذیب وثقافت کے ساتھ زندہ رہیں گے، اور کسی غیر کی غلامی قبول کرنے سے وہ عزت کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔ جنرل سکریٹری نے بتایا کہ جس طرح آزادی سے پہلے ہمارے اسلاف نے اتفاق واتحاد کے ساتھ رہکر ہندوستان کو آزاد کرایا ہے، آزادی کے بعد بھی جمعیۃ علماء ہند نے اتحاد وملت کو ملک کے عروج اور ترقی کا ذریعہ بتایا ہے، مولانا نے بتایا کہ جمعیۃ علماء ہند کی موجودہ قیادت مبارک باد کے قابل ہیں کہ انہوں نے اپنے اسلاف کے طرز پر چلتے ہوئے مسلمانوں کو کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ ان کی محنت قبول فرمائے۔ ❍❖❍